

شاعری: ڈاکٹر شہناز مزمّل

مثلِ کلیات

بہترین غزلیات اور نظمیں

انتخاب: میاں وقار الاسلام

مثلِ کلیات

شاعری: ڈاکٹر شہناز مزمّل

مثلِ کلیات

انتخاب: میاں وقارالاسلام

بہترین غزلیات اور نظمیں

بسمِ اللہ الرّحمٰنِ الرّحیم

شروع اُس ذاتِ کریم کے نام سے جس کا علم تمام جہانوں کے علوم کا احاطہ کئے رہتا ہے اور سوچنے والوں کی سوچ کے دائرے پھیلاتا چلا جاتا ہے۔ دیکھنے والی آنکھوں کو نئے زاویے فراہم کرتا ہے۔ وہی جو اپنے علم سے علم کے خزانے ہماری راہِ حیات میں وقتاً فوقتاً بکھیرتا ہی چلا جاتا ہے۔ وہی جو ہمارے علم کی آخری حد کو بھی لامحدود کئے دیتا ہے۔

وہی جو تمام لاعلموں کو علم دیتا ہے اور اہل علم کو عالم ہونے کا احساس بھی دلاتا ہے۔ اور جو خود کو عالم فاضل سمجھ بیٹھے اُس کے علم کو زائل بھی کر دیتا ہے۔ کائنات میں اس کی قدرت کی بہت سی نشانیاں بکھری پڑی ہیں۔ یہ کائنات خود بھی اُسی کی قدرت کی ایک عظیم الشان نشانی ہے اور صرف اُس اکیلی ذات کو ہی اپنی کائنات پر مکمل قدرت حاصل ہے۔ جو بھی چیزیں ہمارے زیر فرمان کر دی گئی ہیں دراصل وہ سب فرمان الٰہی کی ہی تکمیل کر رہی ہیں۔

انتساب

مشل کلیات منتسب ہے تمام لکھنے اور لکھوانے والوں کے نام، تمام پڑھنے اور پڑھانے والوں کے نام، تمام سیکھنے اور سیکھانے والوں کے نام، تمام سننے اور سنانے والوں کے نام، جن ہستیوں کا قلم سے رشتہ خون کے رشتے سے بھی زیادہ گہرا ہے، جن کی نسل در نسل انتھک کاوشوں سے ہی نسلِ انسانی نے کائنات کے اَن گنت پوشیدہ رازوں پر نظر ڈالی اور غور کیا۔ اہلِ علم نے جہاں بھی دیکھا اپنے ربّ کی نشانیوں کی تسخیر و تفسیر کی، اس کے ذکر کو بلند کیا اور اس کے حکم کی تکمیل کرتے گئے۔

ادب سرائے کا ذکر

سال 2004 کے آغاز میں جب ہم نے مارول سسٹم کے پلیٹ فارم سے پاکستان میں پہلی مرتبہ وائرلیس ٹیکنالوجی (Wireless Technology) پر ایک جوائنٹ ریسرچ پروگرام متعارف کروایا، تو اس با قاعدہ آغاز سیج ریسرچ انسٹی ٹیوٹ (Sage Research Institute) ماڈل ٹاؤن، لاہور سے کیا۔ کالج کی ادبی سرگرمیوں میں تھوڑی بہت شاعری بھی پڑھی اور اسی دوران ادب سرائے کا بھی ذکر سننے کو ملا، جو کہ ہمارے کیمپس سے کچھ ہی فاصلہ پر واقع تھا۔ دوستوں کے اصرار پر پہلا شعری مجموعہ "پہلی منزل" جو کہ با قاعدہ کتاب کی شکل میں نہیں تھا متعارف کروایا۔ تقریباً ایک سال ادب اور ادب سرائے کے قریب رہنے کے باوجود ادب سرائے جانے کا اتفاق نہیں ہو سکا مگر اس کا نام ہمارے مختصر سے ادبی حلقہء احباب کے ذہنوں میں ضرور نقش ہو گیا۔

ملاقات کا شرف

وائرلیس ٹیکنالوجی جوائنٹ ریسرچ پروگرام مکمل ہونے کے بعد ہم گلبرگ منتقل ہو گئے جہاں پر سولو گروپ (Solo Group) کے سیکیورٹی اینڈ سرویلنس کے متعلقہ بہت سے پراجیکٹس کی لانچنگ اور ریسرچ میں گم ہو گئے ادب کا ذکر تو صرف ویک اینڈ سیشنز (Week-End Sessions) میں کبھی کبھار ہوتا تھا۔

دو سال مزید گزر گئے اور اب ہماری کمپنی اپنے سیکٹر میں ڈومینیٹ کر چکی تھی ۔اب ہمارا زیادہ تر فوکس صرف فرنچائزنگ اور لائسنزنگ پروگرامز پر تھا۔ محمد طارق سہیل اور عبدالرشید اعوان دونوں شخصیات اس حوالے سے کی پلیئرز (Key Players) تھیں اور ساتھ ہی ساتھ میری شاعری کو بہت زیادہ پسند کرنے والے بھی تھے جنہوں نے ادب کا چراغ میرے دل میں کبھی بجھنے تو کیا ٹمٹمانے بھی نہیں دیا۔ شاید ان ہی کی موٹیویشن (Motivation) تھی جس نے ایک دفعہ تو مجھے ادب سرائے کے دروازے پر لا کھڑا کیا۔تا حال میں نے شہناز مزمل صاحبہ کا صرف نام ہی سنا تھا،ان سے با قاعدہ ملاقات کا شرف حاصل نہیں ہوا تھا۔

2007 میں ادب سرائے کے ماہانہ ادبی پروگرام میں جانے کا اتفاق ہوا۔کمرے میں ابھی تین چار لوگ ہی موجود تھے،مجھے معلوم نہیں تھا کہ ان میں ڈاکٹر شہناز مزمل کون ہیں،میں نے جن محترمہ سے پہلا سوال کیا کہ " کیا آپ بھی شاعری کرتی ہیں؟"وہ ڈاکٹر شہناز مزمل ہی تھیں۔ انہوں نے مسکرا کر جواب دیا جی بیٹا میں شاعری کرتی ہوں اور میری 25 کتابیں منظر عام پر آ چکی ہیں اور میں گذشتہ 20 سال سے ادب سرائے چلا رہی ہوں اور اس کی تاحیات چیئر پرسن بھی ہوں۔

یہ مختصر سا تعارف تھا جس کے بعد انہوں نے مجھے ہی سب سے پہلے اپنا کلام پڑھنے کی دعوت دے دی۔ اور پھر میری ٹیڑھی میڑھی شاعری کو بڑے اطمینان سنا گیا یا پھر یوں کہیے کہ بہت ہی صبر سے برداشت کیا گیا،قابل ذکر بات یہ کہ کسی نے بھی مجھے اس بات کا احساس نہیں ہونے دیا کہ مجھے ادبی محفل میں شاعری پڑھنے سے پہلے اصلاح ضرور کروانی چاہیے تھی۔ یہی بات ادب سرائے کا خاصہ تھی کہ یہاں نئے لکھنے والوں کی خاطر خواہ حوصلہ افزائی کی جاتی تھی۔اس کے بعد جب بھی کہیں بھی کچھ بھی پڑھا وہ

ڈاکٹر شہناز مزمل صاحبہ کی نظر سے گزارنے اور اصلاح کروانے کے بعد ہی پڑھا۔ اور یہ سلسلہ تا حال جاری ہے۔

یہ تھی ادبی دنیا میں پہلا قدم رکھنے کی بات جو شاید چاند پر قدم رکھنے کے مترادف تھی مگر ڈاکٹر شہناز مزمل کی وجہ سے یہ سفر انتہائی آسان ہو گیا۔ کئی نئے لکھنے والے آئے اور چلے گئے ڈاکٹر شہناز مزمل جس کھلے دل کا مظاہرہ روزِ اوّل سے کرتی چلی آرہی تھیں اسی بڑے پن کا مظاہر آج بھی ان کے ہاں دیکھا جا سکتا ہے۔

ہمسائیگی

مجھے اس بات کا کچھ علم نہیں تھا کہ جب میری ڈاکٹر شہناز مزمل صاحبہ سے دوسری ملاقات ہو گی تب تک میرا آفس پھر ماڈل ٹاؤن میں ادب سرائے سے چند ہی قدم کے فاصلے پر منتقل ہو چکا ہو گا۔

نیازی گروپ کے ایک پراجیکٹ النور کارگوسٹی گوادر کے حوالے سے ابرار خان نیازی صاحب سے ہماری بہت سی ملاقاتیں ہو چکی تھیں اور ہم پارٹ ٹائم گوادر کے ایشوز اور ریسرچ کو بھی دیکھ رہے تھے۔ ابرار خان نیازی صاحب نے ادب سرائے کے قریب ایک بلڈنگ لی اور آفس کیلئے فرنش بھی کروالی۔

اگلی ہی شام مجھ سے تمام معاملات طے کئے اور اس سے اگلے دن آفس میرے حوالے کر دیا۔ یہ سب کچھ پلک جھپکتے ہی ہو چکا تھا۔ یوں ڈاکٹر شہناز مزمل سے ہمسائیگی نصیب ہو گئی۔

ملاقاتوں کا سلسلہ

جلد ہی ڈاکٹر شہناز مزمل سے باقاعدہ ملاقاتوں کا سلسلہ شروع ہوگیا۔کبھی ادب سرائے آفس اور کبھی نیازی گروپ آفس، ادب اور ادب سرائے کو دنیا میں اک الگ انداز میں متعارف کروانے کے حوالے سے بہت سے سیشنز ہوتے رہے، ملکی اور بیرونِ ملک اردو ادب سے متعلقہ معروف شخصیات سے مستقل رابطے ہونے لگے۔زیادہ تر شخصیات سے ڈاکٹر شہناز مزمل کا ذاتی طور پر تعلق تھا مگر انٹرنیٹ کی وجہ سے ادبی فاصلے کم سے کم کرنے کی کوشش شروع ہوگئی۔یوں ہمارا مختصر سا ادبی حلقہ ادب سرائے کی وسیع دنیا میں گُم ہوگیا۔

دورِ حاضر کے نئے ٹرینڈز

ڈاکٹر شہناز مزمل کی اپنی ویب سائیٹ ہو، ادب سرائے کا ادبی ویب پورٹل ہو، یا پھر ڈاکٹر شہناز کی تمام کتابوں کا ڈیجیٹل فارمیٹ میں ویب سائٹ پر اور سی ڈیز (CDs) یا ڈی وی ڈیز (DVDs) پر متعارف کروانا ہو، ساتھ ساتھ ایم پی تھری (MP3) آڈیو بکس ہوں یا پھر ماہانہ و سالانہ پروگرامز کی تصویریں اور وڈیوز ہوں غرض یہ کہ جدید دور سے ہم آہنگ بہت سے کام شروع ہوگئے۔ڈاکٹر شہناز مزمل جو بھی نیا ٹرینڈ دیکھتیں اسے ادب کی خدمت کے لئے منظرِ عام پر لانے میں ذرا بھی دیر نہ کرتیں۔ان کی ادب کے حوالے سے اپنے کام کی لگن یقیناً حیران کن تھی۔ آج بھی وہ اس ادبی لگن میں مگن ہیں اور وہ جو کچھ بھی نیا کرتی ہیں وہ ادبی دنیا کا ٹرینڈ بن جاتا ہے۔اگر انہیں دورِ حاضر کا ادبی ٹرینڈ سیٹر کہا جائے تو اس میں ذرا سی بھی مبالغہ آرائی نہیں ہوگی۔

پہلی با قاعدہ کتاب "من کٹھرا"

ڈاکٹر شہناز مزمل ویسے تو مجھے کئی بار اہل کتاب ہونے کے فوائد بتا چکی تھیں ،جن میں ایک یہ کہ اہل کتاب کبھی مرتا نہیں اور دوسرا یہ کہ اس کے وسیع تر مفادات تب معلوم ہوں گے جب آپ کی کتاب آ جائے گی۔ انہی کی کاوشوں سے 2009 میں میری پہلی با قاعدہ کتاب "من کٹھرا" بھی منظرِ عام پر آ گئی جس کی پرنٹنگ سے لے کر پروموشن تک کا سارا کام نیازی گروپ نے اپنے ذمہ لے لیا اور جو کسر رہ گئی وہ ڈاکٹر شہناز مزمل نے پوری کر دی۔

"من کٹھرا" کی با قاعدہ تقریب رونمائی کا اہتمام بروز ہفتہ 11 جولائی 2009 کو ہوٹل سن فورٹ ، لاہور میں کیا گیا۔ تقریب کے معاونین میں نیازی گروپ، مارول سسٹم اور ادب سرائے شامل تھے۔ تقریب کی صدارت محترمہ ڈاکٹر شہناز مزمل صاحبہ نے کی۔
محترمہ ڈاکٹر شہناز مزمل صاحبہ نے "من کٹھرا" کے بارے میں اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے کہا وقار محبت کا شاعر ہے، یہ محبت اس نے اپنے خدا سے مذہب سے اپنی مٹی سے اپنے فن سے اور اپنے اردگرد بسنے والے لوگوں سے کی ہے۔ اور اس محبت نے اس کو جو کچھ دیا ہے وہ لے کر من کٹھرے میں آن کھڑا ہوا ہے۔

میری کتاب سے متعلقہ کسی بھی کام کو انہوں نے کبھی ایکسٹرا کے طور پر نہیں لیا، وہ میرا تعارف یوں کرواتی

تھیں کہ دیکھیں میری 25 کتابوں میں سے کوئی سپانسر نہیں ہوئی اور ان کی پہلی کتاب سپانسر ہو گئی۔ حقیقت یہ تھی کہ نیازی گروپ نے شاعری کی وجہ سے نہیں میرے ذاتی تعلق اور ریسرچ ورک میں بے پناہ لگن کو دیکھتے ہوئے میرے ساتھ بھرپور تعاون کیا تھا۔

ابرار خان نیازی کا ادبی تعاون

ڈاکٹر شہناز مزمل کی اپنی شخصیت ایسی تھی کہ میرے آفس کا ہر فرد ان کی دل سے عزت کرتا تھا۔ یہاں میں ابرار خان نیازی صاحب کا ذکر نہ کروں تو یہ یقیناً زیادتی ہو گی جنہوں نے ادب سرائے کے لیے ہمیشہ ایک بھرپور تعاون کی فضا قائم رکھی۔ یقیناً کوئی بھی باس یہ نہیں چاہتا کہ اس کے اپنے وسیع تر مفادات میں کسی بھی طرح کے اور کسی کام کی با قاعدہ مداخلت ہوتی رہے، آفرین ہے ابرار خان نیازی صاحب پر جنہوں نے ادب سرائے کے تمام مہمانوں کی ہمیشہ خاطر خواہ مہمان نوازی بھی جاری رکھی اور اپنے ہی آفس میں ادب سرائے سے متعلقہ کسی بھی سرگرمی پر کبھی بھی کوئی اعتراض نہیں کیا۔

اگر ان کی طرف سے کسی قسم کی ریزرویشن (Reservation) کا اظہار ہوتا تو یہ تعاون کی فضا کبھی بھی ہموار نہ ہوتی۔ ابرار خان نیازی صاحب نے نہ صرف ہمیشہ ادب سرائے کے ساتھ بھرپور تعاون کیا بلکہ اپنے انتہائی مفید مشوروں سے بھی نوازتے رہے۔

پروفیشنل ازم

دوسری طرف ڈاکٹر شہناز مزمل نے بھی ادب میں پروفیشنل ازم کا شاید ہی کوئی تقاضہ ہو جو پورا کرنے کی بھرپور کوشش نہ کی ہو۔ نہ انھوں نے اپنا کوئی کام رُکنے دیا اور نہ ہی میرے کسی کام پر ہرج آنے دیا، بلکہ ہر طرح سے بہت ہی سپورٹیو رہیں۔ ادب سرائے کے حوالے سے اگر ان کے پروفیشنل ازم کا جائزہ لیا جائے تو وہ ایک تجربہ کار خاتون ہیں، اپنے ہر کام میں انتہائی کمٹمنٹ کا مظاہرہ کرتی ہیں۔ ٹائم اور ٹائم لائنز کا بہت خیال رکھتی ہیں۔ گنے چُنے سنجیدہ لوگوں سے تعلق رکھتی ہیں۔

چوبیس میں سے اڑھتالیس گھنٹے

ادب سرائے آفس کو خوبصورت لائبریری میں تبدیل کرنا ہو، آفس کی دیواروں کو ادبی پروگرامز کی اہم تصاویر اور ایوارڈز سے سجانا ہو، ساتھ ساتھ آنے والے پروگرامز کی تیاری ہو، ملکی اور بیرونِ ملک تسلسل سے رابطے ہوں، یا کہ نئے لکھنے والوں کی تواتر کے ساتھ رہنمائی ہو یا پھر کسی بھی قسم کا ادبی ریسرچ کا کام ہو شہناز مزمل چوبیس میں سے اڑھتالیس گھنٹے کیسے نکال لیتیں تھیں یہ بات میرے لیئے آج تک کسی معمّے سے کم نہیں۔

صدیوں کا کام

جو کام ہم اپنے آفس میں پوری ٹیم اور مناسب فنانشل سپورٹ کے ساتھ بھی بڑی مشکل سے سرانجام دیتے تھے، وہ تنِ تنہا یہ سب کچھ بڑے آرام سے چہرے پر تھکاوٹ کے کسی شکن کے ظاہر کئے بغیر خوش و خرم کرتی چلی جارہی تھیں۔ جیسے ابھی صدیوں کا کام باقی ہو، جیسے وہ ادب کو اپنے ساتھ لے کر آسمان کے حدوں سے نکلنا چاہتی ہوں، جیسے ادب کی خدمت انہوں نے اپنی اکیلی جان پر فرض کی ہوئی ہو۔ میرا کئی دفعہ ان سے اصرار رہتا کہ وہ اپنی انرجی ضرور سیو کیا کریں۔ مگر ان کے جنوں میں کبھی کمی نہیں آئی۔

ادبی کارِ خیر

ویسے میرا ادب سے کوئی خاص تعلق تو نہیں تھا، مگر ڈاکٹر شہناز مزمل کے ساتھ اٹھنے بیٹھنے کی وجہ سے کچھ آگہی ضرور ہوئی، اس بات کا فخر محسوس ہوتا ہے مجھے ان کے ساتھ ادبی کارِ خیر میں حصہ ڈالنے کا موقعہ ملتا رہا۔

ڈاکٹر شہناز مزمل اپنے ادبی اور کام کو روز بروز پھیلاتی جارہی تھیں جب کہ میں اکثر ان سے اصرار کرتا رہتا کہ اپنے کام سمیٹ کر کوزے میں بند کریں تا کہ ان تعارف کروانے اور ان کی وسیع تر خدمات کا جائزہ لینے میں کچھ آسانی ہو سکے۔ مگر یہ بھی ان کی وسیع تر مصروفیات میں ایک اور مصروفیت بڑھانے کے مترادف تھی۔

تمام تر ادبی سرمایہ

میری ایک سطحی بات کوانہوں نے بہت سنجیدگی سے لیا اور چند ماہ کے عرصے میں اپنا بیس یا پچیس سالوں کا تمام تر ادبی سرمایہ، جانے کہاں کہاں سے اور کس طرح سے اکھٹا کرلیا، کئی اخباروں میں ان کے کالم، اور انٹرویوز آ چکے تھے، بہت سے ٹی وی، اور ریڈیوز پروگرامز بھی ہو چکے تھے، بہت سے طلباء نے ان پر ریسرچ ورک کرر کھا تھا، ان کے بہت سے بین القوامی ادبی دورے بھی ہو چکے تھے، بہت سے اعزاز اور ایوارڈز وغیرہ سے بھی نوازا جا چکا تھا جن کی اخباری، تصویری اور ویڈیو کورتیج انہوں نے اکھٹا کر لیں اور اس کوشش کو مزید بھی جاری رکھا۔

ادبی خدمات کا مختصر جائزہ

میری حیرانی اور تجسس کا ایک دریا تھا جو اب ٹھاٹھیں مارتے سمندر میں تبدیل ہو چکا تھا۔ ڈاکٹر شہناز نے ادب کی دنیا میں کیا تاریخ رقم کردی تھی شاید انہوں نے اس پر کبھی اس انداز سے سوچا بھی نہ تھا۔

ڈاکٹر شہناز مزمل کی ادبی خدمات کا مختصر جائزہ، سیکڑوں بین القوامی ادبی اداروں سے روابط، 600 سے زیادہ ماہانہ ادبی پروگرامز کا انعقاد، ہزاروں ملکی ادبی پروگرامز میں شرکت ،سینکڑوں غیر ملکی ادبی پروگرامز میں شرکت ،سینکڑوں بین القوامی معروف ادبی شخصیات کو اپنے ماہانہ پروگرامز میں مہمانِ خصوصی کے طور پر شرکت کی دعوت، 300 سے زیادہ سپیشل ڈے پروگرامز ،سینکڑوں نئی کتابوں کی تقریب رونمائی ،

5000 سے زیادہ اردو کی کتابوں اور پبلیکیشنز کے ریویوز، ہزاروں نئے لکھنے والے شاعروں اور ادیبوں کی اصلاح اور تربیت، 5000 سے زیادہ پرنٹ اور ڈیجیٹل میڈیا نیوز کٹنگو اور کلپنگز، 3000 سے زیادہ ای میلز اور میل سر کلیشن، 5000 سے زیادہ لوگوں کا آن لائن فالو آپ اور اس کے علاوہ بہت کچھ۔

خوبصورت پورٹ فولیو

ڈاکٹر شہناز مزمل کی ادبی خدمات پر ایک خوبصورت پورٹ فولیو ترتیب دیا گیا ہے جو اکثر ان کے ہاتھوں کی زینت ہوتا ہے اور اب وہ جس محفل میں بھی جاتی ہیں یہ اُس محفل کی بھی زینت ہوتا ہے۔ اس خوبصورت پورٹ فولیو میں ان کی 28 سالہ تمام تر ادبی خدمات کے تفصیلی حوالے ایک خاص انداز میں پیش کئے گئے ہیں۔ یہ پورٹ فولیو ملکی اور غیر ملکی تمام قابلِ ذکر ادبی شخصیات اور ادبی اداروں تک پہنچ چکا ہے اور اس کی ریڈر شپ میں تسلسل کے ساتھ اضافہ ہو رہا ہے۔ پنجابی کمپلس لاہور نے ان کے اعزاز میں ایک شارٹ ڈاکومنٹری بھی مرتب کی ہے۔

ادب سرائے کے ممبران کی تعداد میں بھی دن بدن اضافہ ہوتا چلا جا رہا ہے، جن کی نظر سے ان کی خدمات گزرتی ہیں ان کا ادب سرائے اور ڈاکٹر شہناز سے ملنے کا اشتیاق بڑھ جاتا ہے۔

ادب سرائے کی سالانہ رپورٹ بھی پورٹ فولیو کا حصہ بنتی ہے جس کی وجہ سے ہزاروں ملکی اور سینکڑوں غیر

ملکی ادبی شخصیات نہ صرف ادب سرائے سے منسلک ہو چکی ہیں بلکہ ادب سرائے کی طرف سے انہیں ایک خاص سرٹیفکٹ بھی جاری کیا جاتا اور ایک خاص انداز سے ان کا تعارف بھی کروایا جاتا ہے اور ان کے کام کی خاطر خواہ پزیرائی بھی کی جاتی ہے۔ مزید یہ کہ سالانہ ادبی ایوارڈز کا سلسلہ بھی جاری ہے اور سالانہ خصوصی پروگرام کا انعقاد بھی کیا جاتا ہے۔

ادب سرائے کی لائبریری

ادب سرائے کی لائبریری جس کی انفرادیت یہ ہے کہ اس میں دورِ حاضر اور گذشتہ دور کے تمام قابل ذکر شعراء اور ادیبوں کی کتابیں محفوظ ہیں اور یہ نئے لکھنے والوں کے لیے مشعل راہ ہے، مزید یہ کہ ڈاکٹر شہناز مزل بھی ان کی رہنمائی کے لیے بذاتِ خود موجود ہوتی ہیں۔ فروغِ ادب کے لیے ان کے ماہانہ تربیتی پروگرام کا اجراء ان کی دیگر خدمات میں ایک اور اضافہ ہے۔

کلیاتِ شہناز

ڈاکٹر شہناز مزل کی 25 سے زائد کتابیں منظرِ عام پر آ چکی ہیں اور مزید کتابوں کا سلسلہ ابھی جاری ہے، ان کی کلیات جس کا نام متاعِ عشق ہے اس پر بھی تقریباً 95 فیصد کام مکمل ہو چکا ہے اور ان کا بے مثال کام جب میری نظروں سے گزرا تو میں نے ان کے سارے کلام سے مثل ایک مثلِ کلیات مرتب کر دی جو کہ ان کی اصل کلیات کو خوش آمدید کہنے کے سوا اور کچھ نہیں۔

مثلِ کلیات ایک منفرد کتاب

مثلِ کلیات اپنے طرز کی ایک منفرد کتاب ہے جس میں ڈاکٹر شہناز مزمل کی انتہائی عام فہم شاعری شامل کی گئی ہے۔اس میں وہ شاعری شامل ہے جسے وہ اکثر اپنی ادبی نشستوں میں پڑھتی آئی ہیں یا پھر ان سے بار بار پڑھنے کی خواہش کا اظہار کیا جاتا رہا ہے۔اس میں وہ کلام بھی شامل ہے جو اکثر ادبی رسائل وغیرہ میں تشہیر ہوتا رہا،اور وہ نظمیں اور غزلیں بھی شامل ہیں جن کی سوشل میڈیا میں بھی بھرپور حوصلہ افزائی ہوتی رہی۔میں نے ان کا سارا کلام بہت زیادہ گہرائی سے تو نہیں پڑھا،بہر حال ان کی بہت سی تخلیق ایسی ہے جو سطحی لحاظ سے بھی نظر سے گزرے تو بھلائی نہیں جاسکتی،ان کے تمام اچھوتے خیال جو کہ اَن مٹ نشان چھوڑ جاتے ہیں مثل کلیات کا خاصہ ہیں۔

ڈاکٹر شہناز مزمل بحثیتِ انسان

ڈاکٹر شہناز مزمل نہایت خوش اخلاق،بے حد مہمان نواز اور بڑی باکردار ادبی اور سماجی شخصیت ہیں۔بین القوامی شہرت کے باوجود بھی ان میں غرور نام کی کوئی چیز نہیں،طرز زندگی انتہائی سادہ،دین اسلام سے بے پناہ لگاؤ،ادب سے بے پناہ محبت،اردو ادب سے جنوں کی حد تک لگاؤ،رشتوں کا تقدس اور احترام، دل میں بھرپور جذبہء انسانیت اور جذبہء حب الوطنی اِن کا خاصہ ہے۔ممکن ہی نہیں کہ انسان ان سے ملنے کے بعد کبھی انہیں بھول پائے۔اِن سے ہرطرح کا اختلاف رکھنے والے بھی ان کی عظمت پر سلام پیش کرتے ہیں جو کہ ان کی بہت بڑی کامیابی ہے۔جتنا انہوں نے اپنے آپ کو ادب میں منوایا ہے اتنا

ہی بحیثیتِ انسان بھی اپنا نام منوانے میں کامیاب رہی ہیں۔

ڈاکٹر شہناز مزمل ایک پُراسرار شخصیت

اتنا سب کچھ سمجھنے اور جاننے کے باوجود ابھی بھی اِس پُراسرار شخصیت کے بہت سے راز ہیں جو ابھی تک معلوم نہیں۔ ظاہر ہے سمندر کے گہرائی کا اندازہ سمندر میں اترنے کے بعد ہی معلوم ہوتا ہے۔ میرے نقش پا تو ابھی سمندر کے ساحل پر پڑے ہیں اور نظریں چند ساحلی نظاروں اور موجوں پر ٹھہری ہوئی ہیں۔نہ میں باقاعدہ شاعر ہوں، نہ میں باقاعدہ مصنف ہوں، نہ مجھ میں ڈوبنے کا حوصلہ ہے نہ مجھ میں تیرنے کا ہنر ہے۔میں بس ایک ادھورا سا بے نام مصور ہوں جس نے آپ کے لئے ایک آدھی ادھوری سی تصویر چھوڑ دی ہے!

مثلِ کلیات : منتخب مجموعہ

مشلِ کلیات : حسنِ فہرست

06 میرے خواب ادھورے ہیں ---------------------- 83

07 عشق تماشا ---------------------- 97

10 عشقِ کل

11 نورِ کل

14 جادہءِ عرفاں ---------- 244

15 قرضِ وفا (نظمیں) ---------- 252

01

پیامِ نو

حرص و ہوس کے آگے نہ کچھ بھی دکھائی دے
انسان اپنے قد سے بھی چھوٹا دکھائی دے

اپنے دلوں کا کھوٹ نظر آتا نہیں ہے
سکہ پرایا ہو تو وہ کھوٹا دکھائی دے

کوئی تو ایسا شخص مجھے ڈھونڈ کے لا دو
انسانیت کا بوجھ جو ڈھوتا دکھائی دے

کیا نازکی ہے آج دل فتنہ ساز کی
خود کو لگے جو ٹھیس تو روتا دکھائی دے

گر لہروں کے مزاج کو سمجھے نہ ناخدا
ساحل پہ ہی سفینہ ڈبوتا دکھائی دے

ذوقِ جنوں میں خود کو فراموش کر دیا
شہناؔز کو آرام نہ ہوتا دکھائی دے

حضور ہم ہیں نازاں وفاؤں پہ اپنی
گنہ گر کیا تو سزا مانگتے ہیں

تری بارگاہ میں جھکایا ہے سر کو
خطا معاف کر دے جزا مانگتے ہیں

قدم تو بڑھایا ہے اب سوئے منزل
الٰہی تری ہی رضا مانگتے ہیں

تری عظمتوں کا احاطہ وسیع تر
تری رحمتوں کی دعا مانگتے ہیں

سنائی دے ہر سو سے اللہ اکبر
وہی روح پرور فضا مانگتے ہیں

تقدس ہمارا مقدر بنانا
حیا کی ہم تجھ سے ردا مانگتے ہیں

نہیں کوئی حسرت ترے اس جہاں کی
ترے عشق کی انتہا مانگتے ہیں

ترا قرب پانے کی حسرت ہے یا رب
ٹھکانہ سوئے منتہیٰ مانگتے ہیں

اندھیری رات میں ہم نے دیے جلائے ہیں
چلی ہیں آندھیاں پھر بھی نہ ٹمٹمائے ہیں

ہیں راہِ حق کے مسافر ذرا سمجھ لینا
خدائے نور نے رستے ہمیں دکھائے ہیں

زمانہ ہم کو بدل پایا ہی نہیں لیکن
سبق زمانے کو ہم نے بہت سکھائے ہیں

ہمیں مٹانے کی کاوش بھی رائیگاں سمجھو
ہم حق کی راہ سے باطل مٹا کے آئے ہیں

اے ربِ کُن فکاں اسرار کھول دے اپنے
ترے اسرار کو اب تک نہ سمجھ پائے ہیں

میرے جنون کی منزل ابھی نہیں آئی
میری حیات کی باقی ہے بادہ پیمائی

ابھی انوار نہاں ہیں مری نگاہوں سے
ابھی نگاہ نے بالیدگی نہیں پائی

فلک کے تاروں کو اپنا مقام کر لینا
ان پستیوں نے بلندی ابھی نہیں پائی

سوئے افلاک نظر رکھ اے مردِ ناداں تو
تری حیات نے عظمت ابھی نہیں پائی

شکستہ ساز سے پیدا نوائے راز تو کر
تری تلاش نے منزل ابھی نہیں پائی

ہیں سارے کھیل یہ تری عقلِ سلیم کے
منطق نے سارے راستے اس کو دکھا دیئے

ہم تو تری تلاش میں بھٹکے کہاں کہاں
ذوقِ جنوں نے فاصلے کتنے گھٹا دیئے

لجا کے مانگنے کی ادا رب کو بھا گئی
پھر اس نے عنایات کے دریا بہا دیئے

کیوں تنگئ داماں کا گلہ کر رہے ہیں آپ
وقتِ دعا تو آپ نے دفتر تھما دیئے

اک ایک لمحہ تیرے لئے تابناک تھا
لمحات قیمتی یوں ہی تو نے گنوا دیئے

کیا ختم ہو سکیں گے تجربات یہاں پر
جنوں نے اپنے دائرے کتنے بڑھا دیئے

اُستاد ہے شہنازؔ کا گذرا ہر اک لمحہ
گردش نے تلخ و شیریں تجربے کرا دیئے

02

جراتِ اظہار

دوست بن کر دوستوں کی بے وفائی دیکھیئے
کج ادائی دیکھیئے بے اعتنائی دیکھیئے

رہگذارِ شوق میں ہم رکھ تو بیٹھے ہیں قدم
جانے کب منزل پہ ہو اپنی رسائی دیکھیئے

کس بلا کا سحر تھا ان کی نگاہِ ناز میں
دل نے خود بڑھ کر نظر کی چوٹ کھائی دیکھیئے

میرے سجدوں کے مقدر میں وہ سنگِ در نہ تھا
میری پیشانی پہ داغِ نارسائی دیکھیئے

عشق میں نام و نسب کا کس کو رہتا ہے خیال
ہے نصیبِ عشق میں تو جگ ہنسائی دیکھیئے

زندگی میں ہم نے دیکھیں اُلجھنیں ہی اُلجھنیں
اُلجھنوں سے کس طرح ہو گی رہائی دیکھیے

زندگی کا ایک پل بھی چین سے گذرا نہیں
جب سے کی تسلیم دل کی رہنمائی دیکھیے

آپ نے ناراض ہو کر جب سے آنکھیں پھیر لیں
میری دشمن بن گئی ساری خدائی دیکھیے

جل رہی ہوں کب سے اے شہناز اپنی آگ میں
اب صریرِ خامہ کی شعلہ نوائی دیکھیے

اس حقیقت کا میرے دوست ہے اقرار مجھے
میں گنہگارِ وفا ہوں نہیں انکار مجھے

میرا مذہب ہے محبت میرا مشرب ہے وفا
دشمنوں سے بھی ہے اپنوں کی طرح پیار مجھے

خامشی ہے میری احساسِ ادب کی شاہد
کون کہتا ہے نہیں جراتِ اظہار مجھے

منزلِ حق و صداقت میں ہوں سرگرمِ سفر
رہ بدلنے نہیں دیتا میرا کردار مجھے

درد و آلام نے لوٹا ہے میرا صبر و سکوں
چھاؤں دنیا میں مسرت کی تھی درکار مجھے

غیر تو غیر ہیں غیروں سے گلہ ہو کیونکر
اب تو اپنے بھی سمجھنے لگے اغیار مجھے

میں ہوں خاموش یہ اک رازِ نہاں ہے شہناز
یہ غلط ہے کہ نہیں جرات اظہار مجھے

وفا پرست نہیں جو وفا شعار نہیں
وہ شخص کیا جسے انسانیت سے پیار نہیں

فریب کھائے ہیں دنیا میں اس قدر میں نے
ترا تو کیا مجھے اپنا بھی اعتبار نہیں

بجائے پھولوں کے شاخوں پہ زخم ہیں خنداں
تھے انتظار میں جس کے یہ وہ بہار نہیں

سوائے درد کے کوئی نہیں مرا مونس
سوائے غم کے کوئی میرا غمگسار نہیں

بہا رہا ہے مرا دل تو خون کے آنسو
خدا کا شکر مری آنکھ اشکبار نہیں

کچھ اس طرح سے مجھے راس آ گئی ہے تنہائی
مجھے کسی کا بھی دنیا میں انتظار نہیں

قصور میرا ہے میں نے ہی اس کو چاہا ہے
گنہ گار ہوں میں وہ گنہ گار نہیں

کنارہ کر لیا دل سے بھی اپنے اے شہنازؔ
جہاں میں کوئی بھی اب میرا رازدار نہیں

اللہ مجھ کو جذبۂ حق آشنائی دے
بابِ اثر پہ میری دعا کو رسائی دے

بیداریٔ نگاہ نہ جس کو نصیب ہو
اس کو تو آفتاب بھی ذرّہ دکھائی دے

کھوئی ہے تیری یادوں میں کچھ ایسے زندگی
دھڑکن میں تیرے قدموں کی آہٹ سنائی دے

بھر کر مسرتوں سے مرا دامنِ حیات
زنجیر درد و غم سے مجھے اب رہائی دے

شہنازؔ کی نہیں ہے کوئی اور آرزو
مولا درِ رسولؐ کی اس کو گدائی دے

لہو سے اپنے گلستاں کو لالہ ذار کریں
روش روش کو بہاروں سے ہمکنار کریں

تلاش کرتی ہوئی آئے خود ہمیں منزل
جہاں میں ایسی کوئی راہ اختیار کریں

سبق سکھا کے وفاؤں کا بے وفاؤں کو
دلوں میں ربطِ محبت کو استوار کریں

دعائیں مانگیں شب و روز دشمنوں کے لئے
مخالفوں کو زراہِ خلوص پیار کریں

وہ جس نے سلطنتِ پاک ہم کو بخشی ہے
درِ خدا پہ نہ کیوں سجدہ بار بار کریں

یہی تقاضا ہے شہنازؔ اپنی غیرت کا
فقط خدا کے سہارے پر انحصار کریں

دل میں اک شہر تمنا کا بسا رکھا ہے
تیری یادوں کو کلیجے سے لگا رکھا ہے

لے گیا ساتھ کوئی تجھ سے چُرا کر مجھ کو
اب میری اجڑی ہوئی دنیا میں کیا رکھا ہے

داستانِ غم دل کا ہے جو آنسو محرم
میں نے وہ اشک بھی پلکوں میں چھپا رکھا ہے

مجھ کو آباد کہ برباد کیا ہے تو نے
دل نے یہ فیصلہ محشر پہ اُٹھا رکھا ہے

ہم نے چاہت کو ہی شہنازؔ عبادت سمجھا
ہم نے چاہت ہی کو ایمان بنا رکھا ہے

03

جذب وحروف

روشن جو ایک آنکھ سرِ بام ہو گئی
کیا پھر سے کوئی صبح مرے نام ہو گئی

عمر دراز کاٹ کے مجھ کو ملا عروج
پہنچی جو بام پر تو مری شام ہو گئی

جوشِ جنوں میں بھول گئی اپنے آپ کو
آیا جو ہوش زندگی بھی خام ہو گئی

مجھ کو نہ شوق تھا کہ ہو پہچان یوں مری
ہوتے ہوئے بھی نام میں گمنام ہو گئی

شہنازؔ تیری خواہشِ وارفتگی ہے خوب
پردہ اٹھا تو لرزہ بر اندام ہو گئی

مرے خلوص پہ کیوں ایسے وار کرتے ہو
بنا کے دوست ہمیں دل فگار کرتے ہو

ہے دوستی کو پسِ پردہ دشمنی مقصود
بٹھا کے پاس ہمیں ذکرِ یار کرتے ہو

زمانہ ساز ہو آدابِ دوستی سمجھو
حبیب کہہ کے عدو میں شمار کرتے ہو

ثمر ملے گا وفاؤں کا ہم نے سوچا تھا
مگر جفاؤں سے تم زیرِ بار کرتے ہو

گذر گئے ہیں بہت لمحے رائیگاں اپنے
تم ان کو زیست کا حاصل شمار کرتے ہو

یہ شمعِ زیست پگھلتی ہی جا رہی ہے اب
صدائے نازؔ کا کیوں انتظار کرتے ہو

دنیا نے جو دیا ہے بھلایا نہ جائے گا
تجھ سے زمیں کا قرض چکایا نہ جائے گا

چہرے پہ اپنے لاکھ چڑھا لے تو گر نقاب
نیکی بدی کا فرق مٹایا نہ جائے گا

بپھرا ہوا مزاج ہے لہروں کا اس قدر
ہر ڈوبتا سفینہ بچایا نہ جائے گا

کوئی جگہ نہیں ہے دلِ داغ دار میں
اب مجھ سے کوئی زخم بھی کھایا نہ جائے گا

باندھا ترے فراق میں اشکوں نے ایسا تار
چلمن کے پیچھے ان کو چھپایا نہ جائے گا

ہے حوصلہ سخن کا مگر لفظ ہیں خموش
جو دل میں ہے نہاں وہ دکھایا نہ جائے گا

بِن بات روٹھ جاتے ہیں اکثر جناب آپ
روٹھوں گی میں تو تم سے منایا نہ جائے گا

کرتے ہیں اپنی ہستی کا اَنمٹ نشان ثبت
پھر ایسا نقش دنیا میں پایا نہ جائے گا

شہنازؔ سارے رستوں پہ پہرا سا ہے لگا
وعدہ کسی سے آج نبھایا نہ جائے گا

04

عکسِ دیوار پہ تصویر

کرم یہ رحمتِ ربّ الانام کر دینا
عطائے جلوۂ دارلسّلام کر دینا

پیامِ اذنِ حضوری مجھے ملے جس دم
زباں پہ جاری محمدؐ کا نام کر دینا

نہ لُوں میں دولتِ کونین آپؐ کے بدلے
تو روزِ حشر، شفاعت امام کر دینا

ترس رہی ہوں میں انوارِ صبح کو کب سے
درُودِ نورِ سحر میرے نام کر دینا

دیارِ یثرب و بطحا میں کر سکوں سجدے
نگاہِ لطف سے یہ انتظام کر دینا

طوافِ روضہء اقدسؐ ہو میری قسمت میں
تُو ایک صبح کی ایسی بھی شام کر دینا

نصیبِ تیرے ہیں مجھ سے بلند بادِ صبا!
درُود پڑھ کے، مرا بھی سلام کر دینا

تِرے لیے کوئی مشکل نہیں مِرے مولا!
سرُورِ کیفِ حضوری دوام کر دینا

ہر ایک سانس میں میں مدحتِ رسولؐ کروں
عطاء خاص یہ عالیٰ مقام کر دینا

تِری ہی یاد میں شہنازؔ کی یہ عمر کٹے
دعا قبُول یہ خیرؐ الاّنام کر دینا

دم رخصت اسے جینے کی دعا دی ہم نے
اور پھر آخری کشتی بھی جلا دی ہم نے

مل ہی جائے کسی تعبیر کو شاید کوئی خواب
عکسِ دیوار پہ تصویر بنا دی ہم نے

روح کو جسم کے زندان میں رکھنے کے لیے
بزمِ امید ستاروں سے سجا دی ہم نے

ہم اسیرانِ انا تشنہ لبِ بام گئے
بازیِ زیست بھی داؤ پہ لگا دی ہم نے

تیرگی حد سے بڑھی دل کے نہاں خانوں میں
بھولنے والے تری یاد جلا دی ہم نے

ڈوبتی شام میں کرنوں کو بچانے کے لیے
ریت کے گھر پہ بھی دیوار اُٹھا دی ہم نے

کون آئے گا پلٹ کر ہمیں لے جانے کو
لو چراغوں کی سرِ شام بڑھا دی ہم نے

راکھ ہو جاتے تری آگ سے سندر سپنے
آرزو شمع تری خود ہی بجھا دی ہم نے

بدگمانی سے نکل آئے گُماں کی حد پر
بے یقینی کی فضا آج مٹا دی ہم نے

اپنی ہی سانسوں سے دم گھٹنے لگا جب شہنازؔ
قرضِ جاں دے کے سزا اپنی گھٹا دی ہم نے

اب جنُوں کی انتہا ہونے کو ہے
کیا خبر کیا سانحہ ہونے کو ہے

تنکے چُن چُن آشیاں جس کو کیا
گھر وہی رزقِ ہوا ہونے کو ہے

آپ کی اُمت میں پھر تکرار ہے
کیا یہاں پھر کربلا ہونے کو ہے

توڑ ڈالیں آج سب قصرِ انا
راستہ سب کا جُدا ہونے کو ہے

موت رقصاں ہے بگولوں کی طرح
ہر خوشی گویا فنا ہونے کو ہے

روشنی اور گھن گرج کی گونج ہے
شہرِ انساں بے صدا ہونے کو ہے

سانس روکے دم بخود بیٹھے ہیں سب
ہو چُکے گر معجزہ ہونے کو ہے

فسُوں زدہ ہوں تمنّاؤں کے حصار میں ہوں
دبیز گُہرِ شبستاں ہے میں غبار میں ہوں

کہاں پہ ڈھونڈ رہی ہے مجھے شبِ یلدا
ندائے صبحِ چراغاں کے انتظار میں ہوں

ستارگاں بھی مجھے معتبر نہیں لگتے
میں ایک جبرِ مسلسل کے اختیار میں ہوں

برس رہی ہے کڑی دھوپ آسمانوں سے
ازل سے ربِ بہاراں کے اعتبار میں ہوں

نوشتہ جو بھی ہو خاموش لب رہے ہیں مِرے
ہے فیصلہ یہ اُسی کا میں کس شمار میں ہوں

مجھ سے ہو ہمکلام، سخن آشنا بھی ہو
دعویٰ ہے ہمسری کا، شریکِ دعا بھی ہو

کندن ہوا ہے دھوپ میں شیشے کا پیرہن
شامل اب اس میں سرخیِ رنگِ حنا بھی ہو

منسوب تیرے نام سے لَو اس کی میں کروں
روشن کہیں جو دُور چراغِ ھُدا بھی ہو

پہچاننے کا خود کو بہت اشتیاق ہے
اپنے لیے کہیں پہ رُخِ آئینہ بھی ہو

شہنازؔ یہ تو ذوق مسافت میں شرط ہے
ذوقِ جنوں کی راہ میں ذوقِ انا بھی ہو

دل نے تِرے خلوص پہ سب کچھ لُٹا دیا
تو نے نہ چاہتوں کا ہماری صلہ دیا

کھا کھا کے زخم خون سے بھر لی ہیں انگلیاں
جو خار تیری راہ میں پایا ہٹا دیا

قربت تِری نہ اپنے نصیبوں میں ہو سکی
تُو نے تو دُوریوں کو مقدّر بنا دیا

اے دوست تیرے حُسنِ تغافل کی خیر ہو
تُو نے ہمیں ہماری نظر سے گرا دیا

کس کو سنائیں چاکِ گریباں کی داستاں
دنیا میں تُو نے ہم کو تماشہ بنا دیا

انصاف سے بتا ذرا دکھ درد کے سوا
شہنازؔ کو ہے تیری محبت نے کیا دیا

بناء جرمِ وفا دورِ احتساب میں ہوں
خوشا نصیب محبت کے انتساب میں ہوں

دلِ شکستہ پہ بھاری ہے زردیِ اصنام
تلاشِ صبحِ بہاراں ہے، اضطراب میں ہوں

کہو زمان و مکاں سے کہ میرے ساتھ چلیں
ہے تیز رَخشِ سفر، میں تہہِ رکاب میں ہوں

تلاش اہلِ نظر ہی مجھے کریں گے کبھی
ورق میں سادہ کسی اَن کھلی کتاب میں ہوں

گُلوں کے سنگ برستے ہیں مجھ پہ سنگ یہاں
بہت خوشی ہے زمانے کے انتخاب میں ہوں

صدائے چارہ گراں ہے مِرے تعاقب میں
گِھری ہوئی میں تمنّاؤں کے سراب میں ہوں

اَنی ہے گردشِ دوراں کی منتظر شہنازؔ
صلیبِ وقت کے تازہ تریں نصاب میں ہوں

05

موم کے سائبان

تھے عجیب میرے بھی فیصلے میں کڑی کماں سے گذر گئی
رہے فاصلے مرے منتظر میں تو جسم و جاں سے گذر گئی

جو بھی قرض تھا مری جان پر وہ یہیں پہ میں نے چکا دیا
رہی فکر مجھ کو نہ سود کی تو ہر اک زیاں سے گذر گئی

مجھے راستوں کی خبر نہ تھی اڑی خاک میرے وجود کی
میں تلاش کرتی ہوئی تجھے ترے لامکاں سے گذر گئی

تھیں طویل اتنی مسافتیں کوئی ساتھ میرا نہ دے سکا
وہ یقیں کی حد پہ ٹھہر گیا میں ہر ایک گماں سے گذر گئی

مرا شوق تھا مرا ہمسفر، تھی بلندیوں پہ مری نظر
نہ زمیں کی قید میں رہ سکی ہر اک آسماں سے گذر گئی

وہ سیاہ شب تھی فراق کی کئی دیپ آنکھوں میں جل بجھے
مجھے جگنوؤں نے نوید دی کہ تو امتحاں سے گذر گئی

تو حجاب میں، میں سراب میں، مری زندگی ہے عذاب میں
تجھے اپنا کہنے کی چاہ میں کڑے امتحاں سے گذر گئی

کہیں پھول تھے کہیں تتلیاں، کہیں زخم تھے کہیں بجلیاں
میں خمار میں تھی بہار کے میں ہر اک خزاں سے گذر گئی

نہ عیاں ہوا نہ نہاں ہوا، ہوا امتحاں مرے جذب کا
مجھے مل سکا نہ کوئی نشاں میں کہاں کہاں سے گذر گئی

رُخِ آسماں پہ جو داغ تھے سبھی ظلمتوں نے چھپا لیئے
میں چراغِ شام نہ بن سکی شب رازداں سے گذر گئی

جو خلش ملی وہ عزیز تھی مجھے چارہ گر نہ ملا تو کیا
میں بھی دشمنوں کی پناہ میں کوئے دوستاں سے گذر گئی

مری ہر صدا ہوئی نارسا تو قصور کس کا ہے تو بتا
مری آرزو مری ہر دعا تو لبِ فُغاں سے گذر گئی

اب کڑی دھوپ میں تنہا ہی نکلنا ہو گا
اور تنہائی کا دکھ ساتھ ہی رکھنا ہو گا

گھاؤ کِس کِس سے ملے ہیں نہ کوئی جان سکے
اب مجھے اپنی نگاہوں سے بھی چھپنا ہو گا

نہ کوئی ساتھ تمناؤں کے مصلوب ہوا
لاد کر شانوں پہ لاش اپنی نکلنا ہو گا

راکھ ہو جائے گی ہر ایک تمنا لیکن
کتنی دیر اور ابھی آگ میں جلنا ہو گا

خود کلامی بھی ہے ہر زخم کا مرہم شہنازؔ
شدتِ درد کو کم خود تجھے کرنا ہو گا

اتنا احساسِ ندامت نہ دلایا جائے
فیصلہ جرم کا اک بار سنایا جائے

موسمِ جبر ہے لفظوں کی مسیحائی سے
ایک پتھر کو بھی آئینہ بنایا جائے

میرا ہر خواب ادھورا کوئی تعبیر نہیں
عکس کیسا سرِ دیوار سجایا جائے

بعد مدت کے چراغاں سا مرے دل میں ہوا
کوچۂ شہرِ تمنا کو سجایا جائے

ناشناسی کے کئی زاویے بنتے دیکھے
ہم نوا کس کو زمانے میں بنایا جائے

سپنا سہانا کوئی نظر پیشِ ابھی ہے
جائے بچایا اور ابھی کو دل آتشِ

شہناز زمانہ ہے حیراں ہوں خاموش نقشِ
جائے بنایا نہ تماشا کو حیرت محوِ

چند گھڑیاں نہیں گذری تھیں شناسائی کو
شُعلہ اندام چلے آئے پذیرائی کو

کون جانے وہ حسیں تھا کہ تمنا میری
ڈھونڈ لائی تھی کہیں سے مری رسوائی کو

عکس ٹھہرا تھا مرے دیدۂ تر میں کب سے
آئینہ ڈھونڈ نہ پایا رُخِ زیبائی کو

ٹوٹ کر ریزہ ہوئے جاتے ہیں سب خواب مرے
کہ دو گریہ نہ کرے چشمِ تماشائی کو

باد و باراں بھی نہیں بام نہیں در بھی نہیں
کوئی چھینو نہ مرے گوشۂ تنہائی کو

اپنے احساس پہ کھینچو نہ لکیریں شہناز
توڑ ڈالو بھی بُتِ رہزنِ بینائی کو

یہ چشمِ تر مری پتھرا گئی تو کیا ہو گا
یقیں کی آخری حد آ گئی تو کیا ہو گا

تلاشِ جذب میں دنیا تیاگ سکتی ہوں
سکوتِ دشت سے گھبرا گئی تو کیا ہو گا

گریز پا ہوں کوئی نقشِ پا ملے نہ ملے
اَنا جو ذات سے ٹکرا گئی تو کیا ہو گا

جنوں کی آخری منزل میں بے خودی میری
لباس روح کو پہنا گئی تو کیا ہو گا

ہوا کے دوش پہ کچھ قصے ان کہے لکھے
یہ داستاں مری دھرا گئی تو کیا ہو گا

فصیلِ جسم سے باہر نکل ذرا شہناز
یہ ڈور سانس کی اُلجھا گئی تو کیا ہو گا

کیوں آج ترا شوق سفر کم نہیں ہوتا
ہر موسمِ گُل عشق کا موسم نہیں ہوتا

اس ذہن دریچے میں فروزاں ہیں کئی نقش
پر عکس کسی یاد کا مدھم نہیں ہوتا

سناٹا مری روح میں در آتا ہے جس شب
کیوں چاند مرے زخم کا مرہم نہیں ہوتا

تعبیر کے ارمان میں بنتی ہوں نئے خواب
اب خواب بکھرنے پہ کوئی غم نہیں ہوتا

شیرازۂ الفاظ بکھرنے کو ہے شہناز
طوفاں مگر افکار کا مدھم نہیں ہوتا

آبلہ پا زندگی کو یوں بسر کرتے رہے
خار چُن کر راستوں کو رہ گزر کرتے رہے

کچھ ہجومِ شوق میں ہم کو نظر آیا نہیں
شعلہءِ دل کو جلا کر ہم شرر کرتے رہے

اور کچھ طاری رہا آئندہ نسلوں کا بھی خوف
اس لئے ہم کارواں کو در بدر کرتے رہے

رابطہ اپنا زمیں سے ہو سکا کب استوار
اک خلائے بیکراں میں ہم سفر کرتے رہے

ظُلمتِ ہستی کے زنداں میں رہے شہناز قید
ہم سفر کو ہم اجالوں کی خبر کرتے رہے

متاعِ زیست لٹا کر کوئی ملال نہ تھا
بجز تمہارے کسی کا مجھے خیال نہ تھا

کبھی نہ حوصلہ پایا کہ دل کی بات کہوں
زمانہ سنتا تھا جو بھی وہ حسبِ حال نہ تھا

عجب طرح سے مسیحائی اس نے کی میری
بڑھانا درد تو زخموں کا اندمال نہ تھا

گلہ کروں بھی تو کس سے کروں گی میں جا کر
جو شخص مجھ کو ملا میرا ہم خیال نہ تھا

بغیر مانگے بہت کچھ ملا تھا مجھ کو مگر
جواب اس کا ملا جو مرا سوال نہ تھا

عذاب جاں پہ مری ہر گھڑی مسلط تھے
میرے نصیب میں خوشیوں کا کوئی سال نہ تھا

سفر کی آخری حد پہ پہنچ گئی شہناز
کہ اب تو گردشِ دوراں کے پاس جال نہ تھا

06

میرے خواب ادھورے ہیں

میں چنار اور جنگل رات بھر اکیلے تھے
چاند کے سلگنے کا بھید پانے ٹھہرے تھے

جلتی بجھتی آنکھوں میں دیپ ٹمٹماتے تھے
بے خیال سوچیں تھیں واہموں کے گھیرے تھے

کرچیاں سی بکھری تھیں ہر طرف فضاؤں میں
پتھروں کے شہروں میں آئینوں کے میلے تھے

آبشار لفظوں کے سرکشی کے جذبوں سے
خواہشوں کے طوفاں میں کاغذوں سے کھیلے تھے

گہرے تیز پانی سے کشتیاں بچانے کو
ساحلوں پہ موجوں نے کیا عذاب جھیلے تھے

بستیوں میں رُکنے کا خواب، خواب اس کا تھا
آسماں پہ اُڑنے کے سارے خواب میرے تھے

وہ مکاں میں کیوں رہتا لامکان اس کا تھا
اور آگے جانے سے میرے پر بھی جلتے تھے

خالی نظروں سے مجھے دیکھا کہا کچھ بھی نہیں
کیا ہوا ایسا کہ کہنے کو رہا کچھ بھی نہیں

عکس مجھ کو کیا دکھائے گا یہ ٹوٹا آئینہ
کرچیاں بکھری ہیں ہر سو اور بچا کچھ بھی نہیں

شبنمی آنکھیں مری تعبیر سے ڈرتی رہیں
جل بجھے تھے خواب سارے اور بچا کچھ بھی نہیں

آنسوؤں کا رتجگا ہے شام کی دہلیز پر
تلخ یادوں کے سوا اب تو رہا کچھ بھی نہیں

دائروں کے درمیاں گردش میں اک مدت سے ہوں
زندگی میری تلاطم کے سوا کچھ بھی نہیں

اپنی اپنی ذات کی دہلیز پہ سب رُک گئے
مل کے لکھا فیصلہ لیکن ہوا کچھ بھی نہیں

سب غبار آلودہ چہرے اجنبی لوگوں کے تھے
منزلوں کی جستجو کی اور ملا کچھ بھی نہیں

جس نے جو کچھ بھی کہا چپ چاپ میں نے سن لیا
اک انا تھی درمیاں میں نے کہا کچھ بھی نہیں

زخم یہ شہنازؔ کیسے مندمل ہو پائیں گے
ہیں مسیحا تو بہت لیکن دوا کچھ بھی نہیں

سائے پھیل جاتے ہیں درد رُت کے ڈھلنے سے
چہرہ کس کا بدلا ہے آئینے بدلنے سے

جنگلوں کے سناٹے روح میں اترتے ہیں
خواہشوں کے موسم میں پافگار چلنے سے

خواب پھر سے جاگے ہیں نیم خواب آنکھوں میں
گھنٹیاں سی بجتی ہیں آرزو بدلنے سے

گرد گرد چہرہ ہے وحشتوں کے ڈیرے ہیں
تھک گئی ہوں کتنا میں دائروں میں چلنے سے

آؤ ایسا کرتے ہیں رہبر بدلتے ہیں
دیکھیں کون ملتا ہے منزلیں بدلنے سے

ظلمتوں کے چہرے سے آئینے ہٹا ڈالو
روشنی تو ہو گی کچھ جگنوؤں کے جلنے سے

رقص ہے شراروں کا آج رہگزاروں پر
بستیاں نہ جل جائیں راستوں کے جلنے سے

ذہن کے سلگنے سے جسم راکھ ہوتا ہے
زخم جلنے لگتے ہیں چاند کے نکلنے سے

نظر میں غیر کی وہ معتبر ہونے نہیں دیتا
صدف کو توڑ کر مجھ کو گہر ہونے نہیں دیتا

وہ اپنی اور میری زندگی کے درمیاں اکثر
اٹھا رکھتا ہے ایک دیوار در ہونے نہیں دیتا

وہ خود سر ہے مگر اک ڈھال بن کر ساتھ رہتا ہے
حوادث کا کبھی مجھ پر اثر ہونے نہیں دیتا

میں چھاؤں اپنی ممتا کی یہاں پر بانٹنا چاہوں
مجھے وہ اپنے سائے میں شجر ہونے نہیں دیتا

زمانہ ساز نظروں سے وہ سب کچھ بھانپ لیتا ہے
مگر اپنے ارادوں کی خبر ہونے نہیں دیتا

بدلتی رُت کی خوشبو اُس کو دیوانہ بناتی ہے
بدلتے موسموں کو ہمسفر ہونے نہیں دیتا

وہ میری سوچ کا تانا سدا اُلجھائے رکھتا ہے
ہجومِ فکر میں بھی بے ہنر ہونے نہیں دیتا

مرے رنگین سپنے آ کے اکثر توڑ جاتا ہے
ہے اُسکا مجھ پہ احساں بے بصر ہونے نہیں دیتا

در آتا ہے مرے احساس میں خوشبو کی صورت وہ
تصور میں بھی خود سے بے خبر ہونے نہیں دیتا

وہ سارے تیر ترکش کے مجھی پر آزماتا ہے
کبھی شہناؔز مجھ کو بے سپر ہونے نہیں دیتا

ہم تُند ہواؤں کے ارادے نہیں سمجھے
بدلے ہوئے موسم کے تقاضے نہیں سمجھے

کیوں سر کو پٹختی رہیں موجیں لبِ دریا
سلگے ہوئے ساحل کے کنارے نہیں سمجھے

خیرہ نہیں کرتے یہ جلاتے ہیں نشیمن
بدلی میں چھپے شوخ شرارے نہیں سمجھے

ہے کتنا کٹھن درد کے صحرا سے گزرنا
یہ بات مقدر کے ستارے نہیں سمجھے

اے خاکِ بدن شعلۂ جاں بجھنے لگا ہے
کیوں دیدۂ حیراں کے اشارے نہیں سمجھے

بکھر کے ٹوٹنے والے صدا نہیں کرتے
کوئی بھی کام خلافِ انا نہیں کرتے

شجر پہ بیٹھے ہوئے پنچھیوں سے بات کرو
فضا میں اڑتے پرندے سنا نہیں کرتے

گہر شناس ہیں طوفاں کے ساتھ رہتے ہیں
سمندروں سے عداوت کیا نہیں کرتے

بڑی خموشی سے آ کر زمیں پر گرتے ہیں
فلک سے ٹوٹے ستارے صدا نہیں کرتے

بس ایک بار ہی قسمت ہم آزماتے ہیں
پھر اس کے بعد کسی سے گلہ نہیں کرتے

بجھا دیئے ہیں سرِ شام آرزو کے چراغ
ہوا کے رُخ پہ دیئے تو جلا نہیں کرتے

مات سے پہلے بات بنائی جا سکتی تھی
نفرت کی دیوار گرائی جا سکتی تھی

چندا کی تنویر چرائی جا سکتی تھی
مٹی کی تقدیر جگائی جا سکتی تھی

ناحق ہم تم کھیلے جلتے شعلوں سے
جذبوں کی یہ آگ بجھائی جا سکتی تھی

موجوں کا پیغام نہ سمجھا ساحل نے
ورنہ ڈوبتی ناؤ بچائی جا سکتی تھی

سناٹوں میں ہاتھ کٹا کر بیٹھ گئے
خاموشی مصرف میں لائی جا سکتی تھی

شاعرِ بے باک کو بیڑی پہنا کر
زنداں کی توقیر بڑھائی جا سکتی تھی

ظالم بن کر ظلم مٹایا جیت گئے
حق کی خاطر مات بھی کھائی جا سکتی تھی

07

عشق تماشا

نعت ﷺ

لفظ کھلتے ہیں نہ کھلتے ہیں معانی آقا ﷺ
کیسے پائے مری تحریر روانی آقا ﷺ

کیفیت سے کبھی نکلوں تو کوئی بات بنے
اب تلک تو ہے نہاں عشق کہانی آقا ﷺ

جسم کی قید میں ہوں پھر بھی ہوں میں آپ کے ساتھ
کس لئے روح نے کی نقل مکانی آقا ﷺ

روبرو بیٹھ کے کچھ عرض میں کرنا چاہوں
ہجر لمحوں کی کہانی ہے سنانی آقا ﷺ

ہے خبر آپ کو شہناز مزمل شاہا ﷺ
عشق میں آپ کے کملی ہے دوانی آقا ﷺ

ٹوٹے دل کی دعا محبت ہے
ایک جلتا دیا محبت ہے

عشق منزل سفر محبت ہے
اک عجب سلسلہ محبت ہے

آسماں سے زمیں پر اُترا ہے
اک وسیع دائرہ محبت ہے

چشمِ پُرنم ہو دل پریشاں ہو
یہ ترا فیصلہ محبت ہے

کوئی لمحہ نہ وصل کا آئے
ایک لمبی سزا محبت ہے

ہم نے عشقِ علی سے سیکھا ہے
عاشقی کیا ہے کیا محبت ہے

جان دے کر یہ بات سمجھا دی
اصل میں کربلا محبت ہے

ہو محبت فنا تو عشق بنے
عشق اللہ خدا محبت ہے

اپنے آپ میں کھونے دے اب
عشق تماشا ہونے دے اب

جاگتے جاگتے عمر گنوائی
عشق کی چھاؤں سونے دے اب

ہنسنے والے مردہ دل ہیں
زندہ دل کو رونے دے اب

کاٹ کے ساری فصل پرانی
بیج نیا اک بونے دے اب

جاگتی آنکھیں دیکھ نہ پائیں
پٹ نینن کے ڈھونے دے اب

پریت یہ بازی ہار نہ جائے
ہیر کو رانجھا ہونے دے اب

عشق سمندر سامنے میرے
جیون ناؤ ڈبونے دے اب

عشق محبت نشہ مستی
تھیا تھیا ہونے دے اب

نفرتوں کا زہر چاروں سمت ہے پھیلا ہوا
زندگی کو وحشتوں کا ناگ پھر ڈسنے لگا

ہاتھ میں پتھر اُٹھائے پھر رہا آجکل
شیشۂ دل کے مسیحا کو اچانک کیا ہوا

ڈار سے بچھڑے پرندے لوٹ کر آئے نہیں
تیر برسائے فضا نے رہزن رستہ ہوا

نیم شب میں کہہ رہا تھا خون دل کی داستاں
رات کی آنکھوں میں کاجل شام کا پھیلا ہوا

میں نے برجستہ کہا جو کچھ بھی میرے دل میں تھا
میری نادانی کا سارے شہر میں چرچا ہوا

وقت کی اس دوڑ میں شکوہ گلہ کس سے کروں
سوچتی ہوں جو ہوا جیسا ہوا اچھا ہوا

کب رہی غافل تصور سے ترے میں ایک پل
تیرا چہرہ ہر گھڑی ہر گام پر دیکھا کیا

گر ٹوٹ بھی جاؤں تو بکھرنے نہیں دیتا
پیکر وہ مرا مجھ کو بدلنے نہیں دیتا

ہر وقت کئے رکھتا ہے دل مجھ کو ہراساں
کچھ کام مجھے ڈھنگ سے کرنے نہیں دیتا

زنجیر مرے پاؤں میں ڈالی ہے گماں نے
اور مجھ کو یقیں حد میں ٹھہرنے نہیں دیتا

قسمت ہے چراغوں کی جلیں آخرِ شب تک
الزام ہواؤں کا ٹھہرنے نہیں دیتا

تارے کی طرح شب کے اندھیرے میں چمک کر
جگنو کبھی چڑیا کو بھٹکنے نہیں دیتا

دشمن ہے پرندوں کا بدلتا ہوا موسم
گھر اُن کا کسی پیڑ پہ رہنے نہیں دیتا

سورج کو محبت ہے یا دشمن ہے مرا وہ
کیوں چاند مرے گھر میں اُترنے نہیں دیتا

اک سرد سیہ رات بچھڑنے کا وہ منظر
جینے نہیں دیتا مجھے مرنے نہیں دیتا

محشر سا بپا رکھتا ہے وہ حشر بداماں
مجنوں کو جنوں ہوش میں رہنے نہیں دیتا

گرداب بھنور اور یہ موجوں کا سلیقہ
دریا کو کناروں سے نکلنے نہیں دیتا

خوشبو کی طرح ساتھ ہے شہناز کے ہر دم
تنہائی کے جنگل میں بھٹکنے نہیں دیتا

خزاں کے رُخ پہ اک عجب خمار دیکھتی رہی
غبارِ دشت میں گِھری بہار دیکھتی رہی

طلسمِ شہرِ نارسا پکارتا رہا مجھے
طلسمِ ذات سے بندھا حصار دیکھتی رہی

معصومیت تھی وہ مری یا خود پہ اعتبار تھا
جو نفرتوں میں ڈھل گیا وہ پیار دیکھتی رہی

ایسی تھکن سے چُور تھی اُٹھ کر نہ جا سکی کہیں
میں قافلے کی منتظر غبار دیکھتی رہی

جو کچھ اُسے نصیب تھا وہ میرا کب نصیب تھا
وہ جیتتا چلا گیا میں ہار دیکھتی رہی

دوستوں کی دوستی کا یوں بھرم رکھتے رہے
بے خبر رہ کر بھی اپنی مخبری کرتے رہے

بیچ رستے میں نہ کوئی ساتھ اپنا چھوڑ دے
ہر گھڑی اندیشۂ فردا سے ہم ڈرتے رہے

جب ملی چھاؤں ہمیشہ دھوپ کے نیچے ملی
عمر بھر ہم انتظارِ سائباں کرتے رہے

کھو گیا منزل کا رستہ ہمسفر بھی کھو گیا
جانے کس امید پہ چلتے رہے چلتے رہے

رنجشوں کے سازشوں کے تلخیوں کے باوجود
پھیکی اپنی زندگی میں رنگ ہم بھرتے رہے

آس ٹوٹی دل بھی ٹوٹا اک انا قائم رہی
سر نہ جھکنے پائے ہر دم یہ دعا کرتے رہے

راہ میں اپنی چراغِ رہگذر بیکار تھا
رک ہی جانا تھا تو پھر سارا سفر بیکار تھا

جب مری تقدیر میں چھاؤں نہیں لکھی گئی
میرے آنگن میں اُگا ہر اک شجر بیکار تھا

پھر ہوا ایسا کہ سائے شہر کے جلنے لگے
چشمِ نم بے کار تھی دامانِ تر بیکار تھا

بھید کھل پایا نہیں گر تجھ پہ ہست و بود کا
گردشِ دوراں ترا سارا سفر بیکار تھا

مجھ کو ساحل کے حوالے کر دیا موجوں نے پھر
میرے پاؤں سے بندھا ہر اک بھنور بیکار تھا

جب تری اولاد ہی تجھ سے نہیں ہے مطمئن
تیری ساری جستجو سارا ہنر بیکار تھا

دھوپ کی بستی میں پتھر کا بناتی سائباں
موسم سے پگھلا ہوا شہنازؔ گھر بیکار تھا

آئینے چٹختے ہیں حیرتوں کے موسم میں
خود سے بھی نہیں ملتے شہرتوں کے موسم میں

فصلِ گُل نے کر لی دوستی خزاؤں سے
پھول اب نہیں کھلتے خوشبوؤں کے موسم میں

خشک پتیاں رنگ کر شاخ پر سجا دینا
تتلیاں نہ مر جائیں پت جھڑوں کے موسم میں

پیڑ تو نبھاتے ہیں ساتھ رہنے والوں کا
گھونسلے سلامت ہوں آندھیوں کے موسم میں

خواب بھی ادھورے ہیں ساتھ بھی ادھورے ہیں
ہیں یہاں ادھورے سب خواہشوں کے موسم میں

جبس پیش خیمہ ہے آنے والے طوفاں کا
بند ٹوٹ جاتے ہیں بارشوں کے موسم میں

آبلے تو پھوٹیں گے کرچیوں کے چبھنے سے
پا فگار چلنا ہے ہجرتوں کے موسم میں

دیپ اک جلا دینا شام کو سرِ راہے
رہزنی سے کیا ڈرنا قافلوں کے موسم میں

چوڑیاں کھنکتی ہیں چنریاں سنبھلتی ہیں
رنگ تو بکھرتے ہیں رتجگوں کے موسم میں

دشمنی کے موسم میں احتیاط لازم ہے
دوستوں سے بچنا ہے سازشوں کے موسم میں

آس ٹوٹ جائے تو سانس رکنے لگتی ہے
زندگی سے ڈرتے ہیں تہمتوں کے موسم میں

راکھ میں دبا شعلہ آگ بن کر بھڑکے گا
آندھیاں تو چلتی ہیں فاصلوں کے موسم میں

وہ ہیں گر ستمگر تو ہم ستم شناسا ہیں
نفرتوں کا پہرہ ہے چاہتوں کے موسم میں

وقت کے بدلنے سے قسمتیں بدلتی ہیں
آؤ ہم دعا مانگیں آیتوں کے موسم میں

پاس میرے ہو کر بھی پاس وہ نہیں میرے
دوریاں یہ کیسی ہیں قربتوں کے موسم میں

کسی کی چنری میں دھوپ باندھی کسی کو وجہء جمال رکھا
کسی کے دامن میں صبح ٹانکی کسی کو شب کی مثال رکھا

رضا پہ تیری ہوئی راضی مگر مجھے آج یہ بتا دے
جواب سارے دیئے کسی کو مرے لیے کیوں سوال رکھا

تمنا دیدار کی مجھے تھی میں قریہ قریہ بھٹک رہی ہوں
عیاں ہوا تو سبھی پہ لیکن چھپا کے مجھ سے جمال رکھا

جہاں کے تخلیق کار تو نے یہ کیا کیا ہے یہ کیوں کیا ہے
بنا کے انساں کو سب سے افضل اسی کو روبہ زوال رکھا

یہ فیصلہ تیرا فیصلہ ہے مجال کس کی کہ اسکو بدلے
کسی کے دل میں ہوا چراغاں کسی کے رُخ پر ملال رکھا

وہ تیرا اپنا تھا میں نے مانا میں تیری کچھ بھی نہیں تھی جاناں
بچھڑنا تقدیر میں مری تھا نصیب اسکا وصال رکھا

فراق کی شب چمکتی یادوں کے جگنوؤں سے میں پوچھتی ہوں
مرے لیئے کیوں نہ چاہتوں کا چراغ کوئی سنبھال رکھا

ہٹا دو آئینے آنکھوں کی حیرانی نہیں جاتی
خود اپنی شکل بھی اب مجھ سے پہچانی نہیں جاتی

جو سر تا پا محبت تھے جدا وہ ہو گئے جب سے
سکوں دل کو نہیں ملتا پریشانی نہیں جاتی

کسی بھی حرف کے پیکر سے غم خانہ نہیں سجتا
تمہارے بعد شہرِ دل کی ویرانی نہیں جاتی

غمِ تازہ چھپانے کو نیا چہرہ سجا کر بھی
بصد کاوش نمود سوزِ پنہانی نہیں جاتی

فراق و ہجر میں شہنازؔ ہوتا ہے کبھی ایسا
کوئی آنسو نہیں بہتا پہ طغیانی نہیں جاتی

داستاں اپنی سناتے تمھیں مہماں کرتے
ذکرِ جاناں غمِ دوراں غمِ ہجراں کرتے

کوئی آتا ہی نہیں ہے مرے غم خانے تک
دل کے بہلانے کو کیا شامِ غریباں کرتے

وقت گذرا ہے یونہی گوشۂ دل کو اپنے
اُس کی یادوں سے سجاتے کبھی ویراں کرتے

پوچھتے حال ہمارا جو کبھی وہ آ کر
چشمِ گریہ کو سجا دعوتِ مژگاں کرتے

آبلے پیاس بجھانے کے لیے کافی تھے
گر کہیں تھوڑا کرم خارِ مغیلاں کرتے

دو گھڑی کو ہی چلے آتے تسلی دینے
درد جو بخشا تھا اُس درد کا درماں کرتے

بیتی صدیوں کی تھکن پل میں اُتر جاتی اگر
زندگی ساتھ بسر وہ کسی عنواں کرتے

طوفاں سے نکلنے میں ذرا دیر لگے گی
کشتی کو سنبھلنے میں ذرا دیر لگے گی

بدلی سے پرے چاند مرا ڈوب گیا ہے
منظر کے بدلنے میں ذرا دیر لگے گی

دکھ درد بچھڑنے کا سبھلنے نہیں دیتا
اب دل کے بہلنے میں ذرا دیر لگے گی

ظلمت شبِ دیجور کی چھٹ جائے گی لیکن
سورج کے نکلنے میں ذرا دیر لگے گی

گردش نے تو نقشہ ہی بدل ڈالا ہے شہنازؔ
محور کے بدلنے میں ذرا دیر لگے گی

چراغِ دل جلانے میں بہت ہی دیر کر دی ہے
سراغِ درد پانے میں بہت ہی دیر کر دی ہے

حریر و پرنیاں خوشبو جڑاؤ ہاتھ کے کنگن
گل و لالہ سجانے میں بہت ہی دیر کر دی ہے

کہیں پتھر نہ ہو جائیں مری یہ منتظر آنکھیں
پلٹ کر تم نے آنے میں بہت ہی دیر کر دی ہے

چلو کچھ مختصر کر دیں غم و آلام کا قصہ
تمہیں ہم نے بھلانے میں بہت ہی دیر کر دی ہے

جنوں بے باک نے ساری حدوں کو توڑ ڈالا ہے
خرد نے مات کھانے میں بہت ہی دیر کر دی ہے

نمو کی رُت بہت مدت سے تاریکی میں ٹھہری ہے
نئے سورج نے آنے میں بہت ہی دیر کر دی ہے

08

بعد تیرے

نعت

نہاں تھی محبت عیاں ہو رہی ہے
مری دھڑکنوں میں اذاں ہو رہی ہے

تہجد کے گریہ میں شامل ہوا بھی
مرے عشق کی رازداں ہو رہی ہے

میں چپ چاپ نظریں جھکائے کھڑی ہوں
خموشی مری اب زباں ہو رہی ہے

پکارے ہے دھڑکن محمدؐ محمدؐ
حدیثِ محبت بیاں ہو رہی ہے

میں عاشق ہوں دیوانگی بڑھ کے حد سے
مرے عشق کا امتحاں ہو رہی ہے

سراپاء اقدس دکھا نیم شب میں
یہ فرقت تو سنگِ گراں ہو رہی ہے

وہ شامل ہیں دھڑکن میں سانسوں میں خوں میں
عبادت یہاں سے وہاں ہو رہی ہے

کیسے ہیں جئے عشق میں حیران بہت ہیں
منزل پہ پہنچ جانے کے امکان بہت ہیں

مشکل ہے بہت اس دل وحشی کا سنبھلنا
ہاں ہاں دلِ شوریدہ میں ارمان بہت ہیں

ہے درد کے صحراؤں کی وسعت بھی زیادہ
دریا کی نظر میں ابھی طوفان بہت ہیں

دے اب تو اجازت کہ کوئی قرض چکا دوں
مجھ پر اے محبت ترے احسان بہت ہیں

دیوانگی کچھ اور بھی بڑھ جائے گی شہنازؔ
گل دل ستاں ہے چاک گریبان بہت ہیں

اس کا انداز تغافل سے جلاتے رہنا
اپنا تو کام ہے زنجیر ہلاتے رہنا

عشق تکمیل کی حد کو کبھی چھو لے شاید
کرچیاں جوڑ کے اک عکس بناتے رہنا

غمِ جاناں غمِ ہجراں کے تسلسل کے لیے
آئینہ تم غمِ دوراں کا دکھاتے رہنا

دور تک پیچھا نہیں چھوڑتی وحشت اپنا
دشتِ فرقت میں ذرا ہاتھ ہلاتے رہنا

قید تنہائی ہے اک کرب مسلسل کی طرح
دو گھڑی آ کے ذرا اس کو گھٹاتے رہنا

گردشِ وقت بتا تو نے یہی سیکھا ہے
خس و خاشاک کو مٹی میں ملاتے رہنا

روشنی کرب کی شدت کو بڑھا دیتی ہے
ڈوبتی شب میں چراغوں کو بجھاتے رہنا

درد صحرا میں بھٹکتا نہ پھرے بے چارہ
دیپ اک آس کا ہر سمت جلاتے رہنا

بعد تیرے کوئی وعدوں پہ جیا کرتا ہے
بھولنے والے کو یہ یاد دلاتے رہنا

ہمیں بھولے نہیں ہو یہ ابھی تک مان باقی ہے
تمہارے لوٹ آنے کا ابھی امکان باقی ہے

فریبِ آرزو میں دربدر ہوتے رہے اکثر
تمنا ہو کوئی پوری یہی ارمان باقی ہے

بہت سے ہیں مراسم اور بہت ہیں رابطے اپنے
مگر اپنے پرائے کی ابھی پہچان باقی ہے

ادھوری خواہشیں اپنی ادھورے رہ گئے ہیں ہم
کوئی الجھن کوئی تلخی کوئی خلجان باقی ہے

اسے گردش نے مجھ سے چھین کر مٹی کو دے ڈالا
دلِ ویران میں اب تک مرا سلطان باقی ہے

تمارے پاس آنے کی کوئی جلدی نہیں ہم کو
بہت سا کام باقی ہے ابھی دیوان باقی ہے

مرے آنسو ستارے جان کر دامن میں بھر لو گے
شبِ فرقت سجا دو گے یہ اطمینان باقی ہے

اپنی یادوں کے چراغوں کو جلانا چاہوں
دل کی ہر بات تجھے آج بتانا چاہوں

ٹمٹماتے ہیں دیئے ہجر کے ان آنکھوں میں
چشمِ پُر نم سے انہیں آج بجھانا چاہوں

تو نے جاتے ہوئے اک بار تو سوچا ہو گا
ساتھ جینے کو ترے ایک زمانہ چاہوں

کچھ بھی اچھا نہیں لگتا ہے مجھے تیرے بعد
تیرے بن نام بھی میں اپنا مٹانا چاہوں

عکس کوئی بھی نہیں دل کو مرے بھاتا اب
دل کے آئینے کو پتھر سا بنانا چاہوں

ایک عجب لطف سلگنے میں ملا ہے شہنازؔ
آس کی شمع جلا کر میں بجھانا چاہوں

دستکیں شب بھر ہوا دیتی رہی
لو چراغوں کی صدا دیتی رہی

بدلیوں کی اوٹ میں تھا چاند اور
جانے کیا کیا چاندنی کہتی رہی

شب پہ کیا گزری کسے معلوم ہے
صبح تارے اوڑھ کر سوتی رہی

پھول سے بھنوروں کی سن کر داستاں
رات بھر شبنم یونہی روتی رہی

چمن کے تتلی پھول کی کچھ پتیاں
خوشبوؤں سے باوضو ہوتی رہی

کٹا کے پر بھی تہہِ دام وہ نہیں آیا
پلٹ کے گھر بھی سرِ شام وہ نہیں آیا

نہ جانے کونسی مشکل میں گھر گیا ہے وہ
کبھی کہیں سے بھی ناکام وہ نہیں آیا

ابھی تو آبلہ پا کا سفر بھی باقی ہے
سکونِ دل ملے انجام وہ نہیں آیا

وہ نامور ہے ستائش سے دور رہتا ہے
تمام عمر لبِ بام وہ نہیں آیا

ہمیں نکلتے ہیں اب اُس کو ڈھونڈنے شہناز
کبھی تو اپنے کسی کام وہ نہیں آیا

خواب میں آتے ہیں سب روز دلاسا دینے
کیوں چلے آتے ہیں سب مجھ کو سنبھالا دینے

شام کاجل میری پلکوں پہ سجا دیتی ہے
رات آ جاتی ہے پھر اشکوں کی مالا دینے

میں کسی پہر بھی دروازے کو کھولوں کیسے
کون آئے گا سویروں کا اجالا دینے

غم و آلام نے کر ڈالا مجھے یخ بستہ
آ بھی جاؤ نا محبت کا دوشالہ دینے

تیرگی ظلمتِ شب کی ذرا چھٹ جائے گی
منتظر چاند کو کب آؤ گے ھالا دینے

زندگی سے گزر کے دیکھیں گے
اپنے اندر اتر کے دیکھیں گے

ضبط کو اپنے آزمانا ہے
ٹوٹ کر ہم بکھر کے دیکھیں گے

کچھ تو لا حاصلی کا حاصل ہو
ایک کوشش تو کر کے دیکھیں گے

مسکرا کے بھی ہم نے دیکھ لیا
خود پہ ہم طنز کر کے دیکھیں گے

روز وعدوں سے وہ مکرتا ہے
آج ہم بھی مکر کے دیکھیں گے

کیوں چھلکتے ہیں بھر کے پیمانے
خالی پیمانے بھر کے دیکھیں گے

کیا محوِ تماشا کو دعا دے نہیں سکتے
اس عشق کی کیا اس کو جزا دے نہیں سکتے

جھکنے لگا کیوں آپ کا انصاف ترازو
کیا جرم کی مجرم کو سزا دے نہیں سکتے

ہونے لگے ہیں راکھ محبت بھرے سپنے
بجھتے ہوئے شعلوں کو ہوا دے نہیں سکتے

راضی بہ رضا ہو کے ذرا پوچھنا چاہوں
عاشق کو محبت کی ردا دے نہیں سکتے

زخمی ہیں مرے پاؤں بدن چھلنی ہوا ہے
ہو کیسے مسیحا کہ دوا دے نہیں سکتے

کس خوف نے تم کو ہے کیا ساکت و جامد
تم میرے بلانے پہ صدا دے نہیں سکتے

رہِ حیات کے منظر کو اب بدلنا ہے
اداس شام کے لمحوں میں رنگ بھرنا ہے

سکت سفر کی تو باقی نہیں ہے تیرے بعد
بس اب تو صرف سفر کو تمام کرنا ہے

خزاں ہے نوحہ گُناں فصلِ گُل پریشان ہے
بدلتی رُت یہ بتا اب کہاں ٹھہرنا ہے

پکار مت مجھے دشتِ فنا تواتر سے
کچھ اور دیر یہاں پر قیام کرنا ہے

جنازہ اپنے ہی کندھوں پہ لاد کر شہناز
کبھی بھی شہرِ خموشاں میں جا اُترنا ہے

پردہ ظلمت سے ہٹاتے ہیں سحر دیکھتے ہیں
چشمِ پُرنم نے کیا کتنا اثر دیکھتے ہیں

درد ہے عشق کی معراج تو ڈرنا کیسا
آبلے چھوڑ کے رفتارِ سفر دیکھتے ہیں

کھٹکھٹانا نہیں بوسیدہ کواڑوں کو کبھی
ایک دستک سے ہی گرتا ہوا گھر دیکھتے ہیں

کیف سا چھانے لگا ہے مرے احساس پہ پھر
ہم ترے در کا سفر بارِ دگر دیکھتے ہیں

ایک سناٹا سا طاری ہے بہت مدت سے
اپنے اطراف میں پھیلا ہوا ڈر دیکھتے ہیں

آئینہ خانہ نظر آتی ہے دنیا مجھ کو
تو ہی آتا ہے نظر ہم تو جدھر دیکھتے ہیں

عاشق ہوں عشق کی تو طلب گار میں بھی ہوں
وصلِ جمالِ یار کی حقدار میں بھی ہوں

آؤ بتاؤں اپنی وجہءِ دوستی ہے کیا
وہ دھوپ ہے تو سایہء دیوار میں بھی ہوں

کیوں بے زباں سمجھتے ہو خاموش دیکھ کر
کم گو ہوں مگر واقفِ گفتار میں بھی ہوں

لفظوں سے کھیلنے کا ہنر جانتی ہوں میں
تخلیق کار وہ ہے تو فنکار میں بھی ہوں

پرکھا ہے ہر گھڑی مجھے نادان جان کر
ہر دور کا زمانے کا معیار میں بھی ہوں

وہ کم نما ضرور ہے یہ ٹھیک ہے مگر
ملنا پڑے گا اس کی پرستار میں بھی ہوں

مجھے تیری ضرورت ہے تجھے میری ضرورت ہے
ابھی یہ طے نہیں پایا کسے کس سے محبت ہے

تصور میں رہے بس تو تجھی سے بات ہو میری
یہی چاہت ہے میری اور یہ میری عبادت ہے

محبت کے حسیں پیکر اتر جا روح میں میری
میرے دل میں مکیں رہنا کہ یہ دوری قیامت ہے

فضا میں بس تری خوشبو مجھے محسوس ہوتی ہے
سکوں ملتا ہے جس سے بس وہ احساسِ رفاقت ہے

محبت کر تو لی میں نے مگر یہ اک حقیقت ہے
تجھے ملنا تجھے پانا بہت لمبی ریاضت ہے

اپنی خاطر آپ ہی مرنا پڑتا ہے
اپنی لاش اٹھا کر چلنا پڑتا ہے

ہوس پجاری ہر سو پھیلے ہوتے ہیں
عزت پردہ آپ ہی رکھنا پڑتا ہے

غیرت اور خودداری قائم رکھنے کو
اپنے آپ سے آپ ہی لڑنا پڑتا ہے

جرم و ناانصافی کی اس دنیا میں
آخر حق کا کلمہ کہنا پڑتا ہے

عشق سمندر ڈوبنے والے عاشق کو
کوہ کن بھی تو آپ ہی بننا پڑتا ہے

کس لیے اِن منجمد سوچوں کو پگھلایا گیا
جانے کیوں مجبور پر ایسا ستم ڈھایا گیا

آبلہ پا ہم سفر رکتے رہے چلتے رہے
خالی منظر دیکھنے کو دور تک سایہ گیا

خامشی کو توڑنے کی کب جسارت ہو سکی
دور تک آواز کے پیچھے بھی کب جایا گیا

سادگی کا عاجزی کا فائدہ سب کو ملا
فیصلہ اُن کا تھا لیکن مجھ سے منوایا گیا

فصلِ گُل میں تتلیاں بھنورے تھے ہر سو رقص میں
خوشبوؤں کو بھی سندیسہ بھیج بلوایا گیا

زندگی رنگین ہو سکتی ہے اتنا جان لے
چاندنی راتوں میں جب آنچل کو لہرایا گیا

ہر گھڑی اقدار کی سولی پہ ہم لٹکے رہے
پیچھے مڑ کے دیکھنا مت ہم کو بتلایا گیا

کہاں ہے کوئی جو پیچھے ٹھہر کے دیکھتا ہے
ہر ایک فرد بس آگے گزر کے دکھتا ہے

بہت گرایا ہے نظروں سے اس زمانے نے
کوئی تو ہے جو ہمیں آنکھ بھر کے دیکھتا ہے

تمام عمر گزراری ہے جس کے وعدوں پر
نبھاتا وہ نہیں پیماں مکر کے دیکھتا ہے

اسے ہے یاد رکھا یا بھلا دیا ہم نے
شبِ فراق وہ دل میں اتر کے دیکھتا ہے

ضرر رساں تو نہیں ہم تو بے ضرر سے ہیں
نہ جانے کیوں ہمیں ہر شخص ڈر کے دیکھتا ہے

09

عشق سمندر

اِس قدر پیار سے یہ کس نے پکارا مجھ کو
کرب سے عشق کی وادی میں اُتارا مجھ کو

میری چاہت کا دُعاؤں کا صلہ مل ہی گیا
نکہت و نُور سے تُو نے جو نکھارا مجھ کو

وعدہ کر لو کہ مرا ساتھ نہیں چھوڑو گے
تم سے دُوری نہیں پل بھر بھی گوارا مجھ کو

شکر صد شکر عطا کر دیا سب کچھ اُس نے
اُوج پر لے گیا قسمت کا ستارا مجھ کو

مجھ سا دُنیا میں بھلا کس کا مقدر ہوگا
بڑھتے طوفان میں بخشا ہے کنارا مجھ کو

تیز دوڑائے گا اب مجھ کو مرا شوق و جنوں
روک سکتا نہیں دُنیا کا خسارا مجھ کو

زندگی تیرے سوالات سے ڈر لگتا ہے
چشمِ پُر نم تری برسات سے ڈر لگتا ہے

مسئلے لے کے نکل آتا ہے دن کا سُورج
لوگ کہتے ہیں اُنہیں رات سے ڈر لگتا ہے

رَت جگے کات کے کچھ خواب بُنے ہیں مَیں نے
اِدھ کھلی آنکھوں کو خیرات سے ڈر لگتا ہے

جس کو خود سے بھی چھپایا یہ بتاتا نہ پھرے
جانے کیوں اِس دلِ بیتاب سے ڈر لگتا ہے

اپنے اندر کی ہی دُنیا میں بسا کرتے ہیں
کیا کریں گردشِ حالات سے ڈر لگتا ہے

میرے اقرارِ محبت کو وہ سُن کر بولے
ایک دیوانے کے اثبات سے ڈر لگتا ہے

ہم تو عاشق ہیں، قلندر بھی ہیں، درویش بھی ہیں
عشق والوں کی کرامات سے ڈر لگتا ہے

اُس نے پہلے بھی خطا اپنی کہاں مانی ہے
پھر مُکر جائے گا اِس بات سے ڈر لگتا ہے

گہرا سناٹا ہو تاریکی ہو تنہائی ہو
زخم بنتے ہوئے لمحات سے ڈر لگتا ہے

سب نے اجداد کو معبود بنا رکھا ہے
ہم کو ورثے میں ملی ذات سے ڈر لگتا ہے

کس لئے عشق کی عاشق کو سزا دیتے ہو
ایک مجنوں کا جنوں اور بڑھا دیتے ہو

یاد کچھ بھی نہیں رہتا ہے مجھے اُن کے سوا
دل کی مسند پہ جنہیں روز بٹھا دیتے ہو

اُن کی محفل میں پہنچنے کی مجھے جلدی ہے
راستہ کس لئے دشوار بنا دیتے ہو

جانتے بوجھتے حالت کسی دیوانے کی
عشق کی آگ کو بھڑکا کے ہوا دیتے ہو

زندگی پوری گزاری ہے فقط وعدوں پر
کچھ بھی کرتے نہیں بس خواب دکھا دیتے ہو

دے نہیں پاتے ہو تم میرے سوالوں کے جواب
اِک کہانی مجھے بس آ کے سنا دیتے ہو

جن کو میں ڈھونڈ رہی ہوں وہ بھلا کیسے ہیں
نقش بننے نہیں دیتے ہو مٹا دیتے ہو

آئینہ خانے میں بیٹھے ہوئے مدت گزری
محوِ حیرت کو تماشا سا بنا دیتے ہو

جب بھی تصویر سی بنتی ہے مری آنکھوں میں
چشمِ پُر نم کی نمی اور بڑھا دیتے ہو

منتظر ہم بھی عطا کے ہیں صدا کرتے ہیں
مانگنے والے کو حاجت پہ سوا دیتے ہو

سچے عاشق ہو تو پھر عشق کا چرچا نہ کرو
کیا ملے گا تمہیں اِس عشق میں سوچا نہ کرو

ہم ہیں سینے پہ لگے زخم سجانے والے
گر دیئے زخم تو پھر اِن کا تماشا نہ کرو

بھیج کر تحفہ مرا قرض چکا دیتے ہو
میرے دُکھ درد کا اِس طرح مداوا نہ کرو

مان کے اپنا تمہیں ہار دیا ہے سب کچھ
تم بھی اپنا ہی سمجھ کر مجھے رُسوا نہ کرو

پا لیا آپ کو شہنازؔ نے قسمت اُس کی
کہہ دو اِس دل سے کوئی اور تمنا نہ کرو

غبارِ راہ بنی میں رہِ غبار میں ہوں
نہ جانے کون ہے میں جس کے انتظار میں ہوں

وہ مجھ سے ملنے پلٹ کر ضرور آئے گا
بہت زمانے سے اُمید کے حصار میں ہوں

یہ جبر و قدر کا چکر ازل سے چلتا ہے
کبھی یہ سوچا نہیں کس کے اختیار میں ہوں

یہ لوگ کون ہیں کیسے ہیں کچھ نہیں معلوم
میں بس ہجوم کا حصہ ہوں، کس شمار میں ہوں

مجھے بھی دیں گے وہ حصہ یہ کیسے سوچ لیا
میں اتنی دُور ہوں، میں کب کھڑی قطار میں ہوں

میں اُس کی ہوں وہ مرا ہے بس اتنا کافی ہے
نہیں ہے جیت کی چاہت ،میں مست ہار میں ہوں

سمجھ کے بھی مجھے سمجھا نہیں زمانے نے
خزاں رسیدہ ہوں کھوئی مگر بہار میں ہوں

کھڑی ہوں عشق سمندر کے میں کنارے پر
چڑھا ہے عشق کا نشہ بہت خمار میں ہوں

سکوتِ دشتِ وحشت سے نکل کر دیکھنا چاہوں
نیا راہبر نئے رستے پہ چل کر دیکھنا چاہوں

کہاں پر لے کے آئی ہے یہ میری آگہی مجھ کو
میں اس مشکل سفر میں آگے چل کر دیکھنا چاہوں

چھپی ہو گی کہیں کوئی کرن ظلمت کدے میں بھی
میں اپنی چشمِ تر کو پھر سے مل کر دیکھنا چاہوں

ہزاروں بار چہرے پر نیا چہرا سجایا ہے
دوبارہ اپنے پیکر کو بدل کر دیکھنا چاہوں

کہیں دہلیزِ خوداری کہیں چوکھٹ اَنا کی ہے
اُتر کو ایک نئے سانچے میں ڈھل کر دیکھنا چاہوں

پرائی آگ میں جلنے کی لذت خوب ہے لیکن
میں اپنی آگ میں شہنازؔ جل کر دیکھنا چاہوں

زمیں پر پاؤں رکھنا چاہتی ہوں
ہوا کے سنگ اُڑنا چاہتی ہوں

میری آنکھیں سمندر ہو گئی ہیں
میں سورج بن کے جلنا چاہتی ہوں

پہنچ جاؤں میں تیرے لامکاں تک
میں تجھ سے بھی تو ملنا چاہتی ہوں

ستارے، چاند، خوشبو ساتھ لے کر
میں اُن کے ساتھ چلنا چاہتی ہوں

خود اپنے حوصلے کو آزما کر
میں گر گر کر سنبھلنا چاہتی ہوں

دل مرا پھر سے ہے پاگل آج اِک مدت کے بعد
آنکھ میں پھیلا ہے کاجل آج اِک مدت کے بعد

ہلکی پھلکی ہو کے اُڑتی پھر رہی ہوں آج میں
ٹوٹ کے برسے ہیں بادل آج اِک مدت کے بعد

ان بہاروں میں پکارا ہے کسی نے پیار سے
ہو گیا احساس صندل آج اِک مدت کے بعد

دید کی شمعیں فروزاں ہو گئی ہیں آج پھر
لوٹ کر آیا ہے سانول آج اِک مدت کے بعد

چاندنی ہے، خوشبوئیں ہیں، رت جگوں کا ہے سماں
ہر طرف لہرائے آنچل آج اِک مدت کے بعد

گھنٹیاں سی بج رہی ہیں، رقص میں ہے کائنات
دل میں یہ کیسی ہے ہلچل آج اِک مدت کے بعد

اک زمانے بعد دنیا کیوں مجھے اچھی لگی
دور ہے اُلجھن کی دلدل آج اِک مدت کے بعد

تتلیوں کلیوں کو دیکھا تو سکوں سا مل گیا
ہو گئی ہوں پھر مکمل آج اِک مدت کے بعد

ہوا خاموش تھی اور پھول جھڑ گئے کیسے
تھا جن سے رشتہ وہ یکدم بچھڑ گئے کیسے

بہت ہی دُور تلک کوئی بھی نظر میں نہیں
ذرا بتاؤ تو میلے اُجڑ گئے کیسے

مزاج سب کا تو اپنی طرح نہیں ہوتا
ذرا سی بات پہ ساتھی بگڑ گئے کیسے

رفو گری کا سلیقہ تو ہم نے سیکھا ہے
پرانے زخموں کے ٹانکے اُدھڑ گئے کیسے

جو آشیانہ بنایا تھا جن کے سائے میں
وہ سائبان بنے تھے اُکھڑ گئے کیسے

کبھی نہ چاہا تھا جس سمت میں سفر کرنا
ہم ایسے راستے پر آج پڑ گئے کیسے

اُٹھایا جاتا نہیں ایک بھی قدم آگے
ہمارے پاؤں زمیں میں ہیں گڑ گئے کیسے

بڑھا کر اُلجھنیں اِک فیصلہ ہونے نہیں دیتا
وہ دشمن دوست وعدہ بھی وفا ہونے نہیں دیتا

الگ خود بھی وہ رہتا ہے الگ مجھ کو بھی رکھتا ہے
عجب انداز ہے اُس کا جدا ہونے نہیں دیتا

حقیقت جان کر بھی وہ حقیقت سے گریزاں ہے
مٹا دیتا ہے مرکز رابطہ ہونے نہیں دیتا

یقیں کامل ہے اُس کا عشق کا مطلب سمجھتا ہے
گماں میں بھی کسی کو وہ مرا ہونے نہیں دیتا

میں خوش ہوں کہ مجھے وہ آج بھی اپنا سمجھتا ہے
کسی بھی طور توہینِ اَنا ہونے نہیں دیتا

میں اُس سے روٹھ بھی جاؤں وہ مجھ سے روٹھتا کب ہے
منا لیتا ہے وہ مجھ کو خفا ہونے نہیں دیتا

وہ دنیا سے الگ ہو کر بھی میرے ساتھ رہتا ہے
زمانے کے خداؤں کو خدا ہونے نہیں دیتا

یقیں کے اور گماں کے درمیاں ہوں
مجھے لگتا ہے شاید بدگماں ہوں

بچا لو اپنی آنکھوں کو نمی سے
میں بجھتی آگ سے اُٹھتا دھواں ہوں

مسافر کتنے آئے کتنے پلٹے
کسی گم گشتہ منزل کا نشاں ہوں

بہت سے قافلے لے کر چلی ہوں
میں اِک مدت سے میرِ کارواں ہوں

ہمہ تن گوش کیوں ہیں اہلِ محفل
کوئی قصہ ہوں، کوئی داستاں ہوں

کنارے تک کبھی پہنچیں نہ پہنچیں
نئی کشتی کا ٹوٹا بادباں ہوں

مرے سائے میں کیسے رہ سکو گے
پگھلتے موم کا اِک سائباں ہوں

خدا جانے رسائی ہو کہاں تک
میں ٹوٹے دل سے نکلی اِک فغاں ہوں

مجھے تم اِس قدر ناداں نہ سمجھو
زمیں زادی ہوں لیکن آسماں ہوں

ہوا میں مجھ کو اُڑنا آ گیا ہے
فضاؤں میں ٹھہرنا آ گیا ہے

مجھے شعلوں پہ چلنا آ گیا ہے
میں پتھر تھی، پگھلنا آ گیا ہے

دلِ وحشی کو اب کیسے سنبھالوں
اِسے تو بس مچلنا آ گیا ہے

ہوں مقروض اَنا بے بس نہیں میں
مجھے گر کر سنبھلنا آ گیا ہے

زمانے نے سکھایا ہے بہت کچھ
ہر اِک سانچے میں ڈھلنا آ گیا ہے

ضرورت ہی نہیں اب تو کسی کی
مجھے خود ہی بہلنا آ گیا ہے

کوئی اچھی غزل تخلیق کر لوں
تخیّل کو سجانا آ گیا ہے

جلا کر اِک دیا رکھا ہوا ہے
کسی طوفان سے سودا ہوا ہے

بہت مدت سے اِک میرا سندیسہ
ہوا کے ہاتھ پر لکھا ہوا ہے

ہمیں اِس حال میں پہچان لو گے
یہ مت کہنا کہیں دیکھا ہوا ہے

کبھی فرصت ملے تو آ کے ملنا
وفا کا قرض اِک رکھا ہوا ہے

چلو چھوڑو کوئی الزام مت دو
نہ جانے کس نے کیا سوچا ہوا ہے

تمھیں بھی علم ہو جائے گا جلدی
کسی نے کس کو کیا بیچا ہوا ہے

وہ دستک بھی تمھاری سُن رہا ہے
جو اُوپر ہے وہ کب سویا ہوا ہے

بھلا ہو تتلیوں کے پیرہن کا
فضا کا رنگ کچھ بدلا ہوا ہے

تمھارے در پہ کیوں سر کو جھکائیں
کیوں اپنے کو خدا سمجھا ہوا ہے

نئی تعبیر بنتے جا رہے ہو
ادھورا خواب کب پورا ہوا ہے

کبھی منزلیں بدلنا کبھی راستوں میں آنا
کبھی دوستی نبھانا کبھی دشمنوں میں آنا

ذرا تھوڑا غور کرنا ہمیں چھوڑنے سے پہلے
کبھی نفرتیں پرکھنا، کبھی چاہتوں میں آنا

مری خواہشوں کی مسند پڑی مدتوں سے خالی
کبھی خواب ہی دکھانا کبھی رتجگوں میں آنا

یہ سفر محبتوں کے کبھی طے ہوئے اکیلے
کبھی ساتھ ساتھ چلنا کبھی منزلوں میں آنا

مرا ہمسفر اچانک کیوں بچھڑ گیا ہے مجھ سے
تمہیں دیکھنا میں چاہوں کبھی آئینوں میں آنا

ہے دریدہ جسم سارا پڑے پاؤں میں ہیں چھالے
کبھی مرہموں کی صورت مرے آنگنوں میں آنا

10

عشقِ کل

میں کھو گئی ہوں مگر اب گمان بولے گا
مکیں بغیر یہ خالی مکان بولے گا

زمانے بھر کی سمیٹی ہے تیرگی شب نے
ملے گی جب بھی زباں آسمان بولے گا

ہوں سنگِ میل غلط بھی تو مت ہو آزردہ
نشاں دکھانے کو خود ساربان بولے گا

یہ خامشی تو مری ذات کا حوالہ ہے
میں گم ہوں عشق میں میرا دھیان بولے گا

اگرچہ میرا جنوں مجھ کو بے خبر کر دے
زمیں بولے گی یہ آسمان بولے گا

جو میری روح مرے جسم جاں میں بستا ہے
وہ آج تیرے مرے درمیان بولے گا

چاک پہ رکھے ہیں تصویر بنا دی جائے
ورنہ اس جگہ سے یہ مٹی ہٹا دی جائے

تم نے کیا سوچ کہ رکھا ہے یہاں کوزہ گرو
گر نہیں ڈھلنا تو وجہ بتا دی جائے

رنگ و خوشبو تو ازل سے میری کمزوری ہیں
سبز موسم سے مری دنیا سجا دی جائے

ہو گیا کوچۂ تہمت میں تو جینا مشکل
جرم کی اب تو سزا ہم کو سنا دی جائے

آئینہ خانے میں حیران سے سب بیٹھے ہیں
اِن زمیں زادوں کی حیرت ہی مٹا دی جائے

فیصلہ پار اُترنے کا کیا ہے شہنازؔ
اب ذرا آخری کشتی بھی جلا دی جائے

ختم کر دو ہر اک آواز کو تقریر کو اب
کون آئے گا ہلانے گری زنجیر کو اب

وقت کے پاس نہ چہرہ ہے نہ احساس نہ دل
اپنے چہرے سے مٹا کرب کی تحریر کو اب

میرے قائد مرے محسن ترے ممنون ہیں ہم
مل کے دیتے ہیں سلامی تری تصویر کو اب

ہاتھ میں تھامے ہوئے کاسہ زمانہ گزرا
اک یدِ بیضا بدل ڈالے گا تقدیر کو اب

تیرگی چھٹ نہ سکی بڑھتی رہی بے چینی
روشنی دیدے ذرا اس دل گھمبیر کو اب

بہت شعلہ بیانی ہو رہی ہے
ہر اک سو نعت خوانی ہو رہی ہے

موذن اب ہوائیں ہو گئی ہیں
فضا کتنی نورانی ہو رہی ہے

نہیں حاصل ہے کچھ لا حاصلی کا
ہر اک شے نقشِ فانی ہو رہی ہے

یقیں نے چھو لیا ہے آسماں کو
گماں سے بدگمانی ہو رہی ہے

چھپا لیں گے وہ کملی میں مجھے بھی
طلب یہ جاودانی ہو رہی ہے

ہے دنیا نقش پا پیرِ مغاںؐ کا
ہر اِک سُو سُکن فکانی ہو رہی ہے

شہنشاہِ دو عالم میرے آقاؐ
جھکا ہے سر غلامی ہو رہی ہے

تقدس کا نشّہ چھانے لگا ہے
عقیدت ضوفشانی ہو رہی ہے

کوئی خلش کوئی رنجش نہ پال رکھنا تم
میں لوٹ آؤں گی قائم جمال رکھنا تم

نظر میں ہے تیری آئینہ سی نگاہیں بھی
بس اپنے پاس ہی اپنا سوال رکھنا تم

بہار تتلیاں کرنیں سمیٹ لائی ہوں
میرے خلوص کی خوشبو سنبھال رکھنا تم

میں چھوڑ آئی ہوں اک شوق عشق اور مستی
گر ہو سکے میرا حصہ نکال رکھنا تم

ہوں آس پاس تمہارے نظر نہیں آتی
مری تلاش میں شامل کمال رکھنا تم

ہوا میں قصے فضاء میں ہیں تیری تصویریں
یہ عکسِ ذات ہے جاناں اُجال رکھنا تم

میں شاہ ناز ہوں سلطان کی یہ یاد رہے
ہمارا مان ہو اتنا خیال رکھنا تم

بنا سوچے بنا سمجھے محبت کون کرتا ہے
سراسر اک خسارے کی تجارت کون کرتا ہے

کسی سے ہار کر جیتے کسی سے جیت کے ہارنے
بلاوجہ خود اپنے سے بغاوت کون کرتا ہے

نہ جانے خود سے بھی بڑھ کر تمہیں کیوں ہم نے چاہا ہے
بھلا اپنی ہی چاہت میں خیانت کون کرتا ہے

کسی کمزور لمحے میں تمہیں ہم نے پکارا ہے
کبھی دیرینہ قصے کو روایت کون کرتا ہے

یہ ایک قرضِ انا قرضِ وفا کا بوجھ ہے شاید
وگرنہ اپنے لوگوں سے وضاحت کون کرتا ہے

مسافت بڑھتی جائے تو قدم کو بیڑیاں کر لو
پہنچنے کی یوں منزل تک جسارت کون کرتا ہے

لگا کر دل کو داؤ پر یہ بازی جان کی ہاری
بِنا چاہت بتاؤ ایسی جرات کون کرتا ہے

منزلوں کو مرے رستے سے ہٹا دیتے ہو
راستوں کو مری تقدیر بنا دیتے ہو

آس کا دیپ جلاتے ہو بجھا دیتے ہو
وقتِ رخصت ہمیں جینے کی دعا دیتے ہو

زعم ہی ختم نہیں ہوتا ہے لمحے بھر کو
میرے اللہ مجھے کیسے خدا دیتے ہو

خود پلٹ کر نہیں آتے ہو کبھی اور مجھ کو
مرنے دیتے نہیں جینے کی سزا دیتے ہو

ڈھونڈ لے نہ کہیں رستہ کوئی بھولا بھٹکا
صبح سے پہلے چراغوں کو بجھا دیتے ہو

پابجولاں میں پھری آبلہ پا دہر میں ہوں
جلتے دیپک مری پلکوں پہ سجا دیتے ہو

11

نورِ کل

ابتداء انتہاء ہیں رحمت اللعالمینؐ
مظہرِ نورِ خدا ہیں رحمت اللعالمینؐ

راہنمائی کے لئے بھیجی گئی اُنؐ پر وحی
راہنماؤ! رہنما ہیں رحمت اللعالمینؐ

کس قدر نازاں ہے اُنؐ پر خالقِ کون و مکاں
اپنے خالق کی ثناء ہیں رحمت اللعالمینؐ

اپنے رب کے عشق میں ہیں مبتلا صلِ علیٰ
اور محبوبِ خدا ہیں رحمت اللعالمینؐ

مصطفےٰؐ کے سلسلے انوار کے ہیں چار سو
کب جمالِ کم نما ہیں رحمت اللعالمینؐ

گردش دوراں بھی اُنؐ کی شان میں ہے مدح خواں
سب کے ہی صلِّ علیٰ ہیں رحمت اللعالمیں

سر میں سودا ہے کہ پھر گنبد خضریٰ دیکھوں
اپنے سجدوں کے مقدر میں بھی کعبہ دیکھوں

ہوک سی اُٹھتی ہے اس دل بے تاب میں آج
لوٹ کر جاؤں وہاں وادیءِ بطحا دیکھوں

کتنا مشکل ہے وہاں جا کے پلٹ کر آنا
اپنا جانا وہاں اور جا کے پلٹنا دیکھوں

سر جھکانے کو میسّر ہو ریاض الجّنہ
اور تصور میں محمدؐ کا سراپا دیکھوں

ملتزم پر میں کھڑے ہو کے دعائیں مانگوں
آبِ زم زم میں نہاں وسعتِ دریا دیکھوں

کس طرح آپؐ کیا کرتے تھے منبر پہ کلام
سامنے اپنے میں گذرا وہ زمانہ دیکھوں

اک تجّلی ہے اور اک نور ہے ہر شے میں وہاں
دیدۂ بینا عطا کر کہ میں ہر جا دیکھوں

مرے مولا رسول اللہؐ سی ہم کو وجاہت دے
صباحت دے لیاقت دے مرّوت دے شرافت دے

کسی کا کچھ رویہ ہو ہمارا طور مت بدلے
الٰہی تو رسول اللہؐ سی ہم کو حلاوت دے

جھکائیں سر کو سجدے میں کریں سب گریہ و زاری
ہمیں شوقِ ریاضت ہمیں شوقِ عبادت دے

بھلا دیں سارے رشتے اور ہمیں بس یاد ہو تو ہی
ہمیں تو اپنی چاہت دے ہمیں ذوقِ اطاعت دے

یقیں ہے ہم کو یہ، سب عاصیوں کو تو ہی بخشے گا
سرِ محشر شفیع المذنبینؐ کی تو شفاعت دے

محمدؐ کے ہی ہم نقشِ قدم پر چلنے والے ہوں
رہیں قرب الٰہی میں ہمیں ایماں میں راحت دے

شرک ہو رہا تھا شعلہ فشاں آپؐ سے پہلے
توحید کے جلوے تھے نہاں آپؐ سے پہلے

واضح نہ کوئی راستہ انساں کے لئے تھا
گم کردہ تھا منزل کا نشاں آپؐ سے پہلے

جلاد تھے سفاک تھے ظالم تھے سب انسان
بس حکمراں تھی نوکِ سناں آپؐ سے پہلے

عورت کی کوئی عزت و حرمت ہی نہیں تھی
عورت تھی اک ذلت کا نشاں آپؐ سے پہلے

انسان کو شیطان نے قبضے میں کیا تھا
پردے میں یقیں کے تھا گماں آپؐ سے پہلے

خیر اور شر میں فرق تھا کرنا بہت مشکل
تھا ایک تذبذب کا سماں آپؐ سے پہلے

نورِ خداؐ کے آنے سے اک نور سا پھیلا
گُم تیرگی میں تھا یہ جہاں آپؐ سے پہلے

حکمت سے سارے مسئلے حل آپؐ نے کیئے
تھا جہل حکمراں یہاں آپؐ سے پہلے

قرآن اور رسولؐ ہی رہبر ہیں ہمارے
کب ہم یہ حقیقت تھی عیاں آپؐ سے پہلے

بتا کون ہے وہ بتا کون ہے
مرے عشق کی انتہا کون ہے

بتا میم پردے چھپا کون ہے
نبی سب ہیں صلی علیٰ کون ہے

اندھیروں میں بدر الدجیٰ کون ہے
جو بھٹکیں تو نور الھدیٰ کون ہے

ستاروں میں نور و ضیا کون ہے
زمانے میں صدر العلیٰ کون ہے

بتا کون ہے وہ بتا کون ہے
مرے عشق کی انتہا کون ہے

بتا میم پردے چھپا کون ہے
نبی سب ہیں صلیِ علیٰ کون ہے

مِری دھڑکنوں میں بسا کون ہے
سنگھاسن پہ دل کے سجا کون ہے

میرے کبیریا کی ثناء کون ہے
خدا نے جو مانگی دعا کون ہے

بتا میم پردے چھپا کون ہے
نبی سب ہیں صلیِ علیٰ کون ہے

مرے عشق کی انتہا کون ہے
شفاعت کی دیتا ندا کون ہے

مصیبت میں مشکل کشا کون ہے
ہمارے دکھوں کی دوا کون ہے

بتا میم پردے چھپا کون ہے
نبی سب ہیں صلیِ علیٰ کون ہے

مرے عشق کی انتہا کون ہے
بتا وجہ ارض و سماء کون ہے

بنا اشرف الانبیا کون ہے
بتا دے نا تیری رضا کون ہے

خدا جس کو چاہے بتا کون ہے
بتا میم پردے چھپا کون ہے

نبی سب ہیں صلیِ علیٰ کون ہے
مرے عشق کی انتہا کون ہے

نہاں تھی محبت عیاں ہو رہی ہے
میری دھڑکنوں میں اذاں ہو رہی ہے

تہجد کے گریہ میں شامل ہوا بھی
مرے عشق کی رازداں ہو رہی ہے

میں چُپ چاپ نظریں جھکائے کھڑی ہوں
خموشی مری اب زباں ہو رہی ہے

سراپاء اقدس دکھا نیم شب میں
یہ فرقت تو سنگِ گراں ہو رہی ہے

وہ شامل ہیں دھڑکن میں سانسوں میں خوں میں
عبادت یہاں سے وہاں ہو رہی ہے

پکارے ہے دھڑکن محمدؐ محمدؐ

حدیثِ محبت بیاں ہو رہی ہے

سلسلہ جب سے جڑا ہے آپؐ سے بس آپؐ سے
رابطہ پیہم مرا ہے آپؐ سے بس آپؐ سے

"حرف جذبوں" کو ملے ہیں "جرات اظہار" بھی
مان لفظوں کو ملا ہے آپؐ سے بس آپؐ سے

"عکس پہ دیوار کے تصویر" ہے بس آپؐ کی
رازِ ہستی پا لیا ہے آپؐ سے بس آپؐ سے

"موم کے یہ سائباں" پگھلا نہ پائیں گے مجھے
فیض مجھ کو مل رہا ہے آپؐ سے بس آپؐ سے

ہر "ادھورے خواب" کی تکمیل ہو جائے گی اب
ہر گھڑی یہ التجا ہے آپؐ سے بس آپؐ سے

"جادہ عرفاں" پہ چلنا اب نہیں مشکل مجھے
راستہ منزل ہوا ہے آپؐ سے بس آپؐ سے

"عشق کا رنگیں تماشا" ختم اب ہونے کو ہے
عشق کامل ہو گیا ہے آپؐ سے بس آپؐ سے

"بعد تیرے" اب مجھے رونا نہیں آتا مجھے
رابطہ جب سے ہوا ہے آپؐ سے بس آپؐ سے

آپؐ سے سیکھا ہے "اُجلا کون میلا کون" ہے
مل گیا ہے سیدھا راستہ ہے آپؐ سے بس آپؐ سے

اب ادا کرنا نہیں مجھ کو کوئی "قرضِ وفا"
اک بھرم مجھ کو ملا ہے آپؐ سے بس آپؐ سے

میں نے بھی ہر روز مانگی نعت اک رمضان میں
"نورِ کل" تحفہ ملا ہے آپؐ سے بس آپؐ سے

"عشق دا دیوا" سدا روشن رہے شہنازؔ کا
نور اُس کو مل رہا ہے آپؐ سے بس آپؐ سے

12

عشق دادیوا

حمد

تُوں ہی سچّا رب اے سائیں
اُچی، تیری ذات
تیرے دَر تے آ کے
میری اکھاں وِچ برسات
دِیوے سارے بجھن لگے
ڈَھلدی جاوے رات
میرا لُوں لُوں کنبن لگا
کَنج کراں گل بات
اِسمِ مُحمد دِل وچ اُترے
نُور بنے سوغات
فیر میں لکھاں نعت

اُچی تیری ذات اے سائیں

اُچی تیری ذات

کر میرے نال اوہ چال گیا
اِک عشق دا دیوا بال گیا

جو منزل توڑ نہ جاندا سی
اوہ رستا میرے نال گیا

اوہ سجن سی اوہ مِتر سی
اوہ کاہنوں بن وبال گیا

جو پورا کدے نہ ہو سکیا
اُس خاب دے ول خیال گیا

تلوار دے وانگ اوہ تِکھّا سی
بن کَنج اوہ میری ڈھال گیا

میں عشق دا دِیوا چک بیٹھی
اوہ لُوں لُوں میرا بال گیا

آلھنا میرے دل وِچ پا کے رہندیاں تیریاں یاداں نیں
چار چوفیرے گھُپ انھیرے دُکھاں دِیاں واٹاں نیں

وَن سوَنّیاں لوک نیں ایتھے وَن سوَنّیاں بولیاں نیں
کوئی نہ تیرے ورگا دِسدا وَن سوَنّیاں ذاتاں نیں

سورج کِتھے ڈیرا لایا چانن کِتھے ہویا اے
سمجھ نہ آئے دن چڑھیا یا لمیاں کالیاں راتاں نیں

رانجھن تینوں لبھدے لبھدے اپنے آپ نوں بھُل گئی آں
اپنے نال وی ہُن تے میری گھٹ ودھ ای ملاقاتاں نیں

درد وِچھوڑا اندر میرے بھانبھڑ بال کے رکھدا اے
تیریاں یاداں سوہنیا سجنا کملی لئی سوغاتاں نیں

جِہڑے لوکی پردیساں نوں اپنا دیس بنا لیندے نیں
پیسے پِچھے نسدے نسدے ڈاڈھے دھوکھے کھا لیندے نیں

غرضاں دی ماری دُنیا وِچ کوئی وی سجن بیلی نہیں
سجن بیلی اوہی جِہڑے رُسے یار منا لیندے نیں

پیار کرو تے مٹھڑا بولو رَل مِل جینا سِکھو سبھ
نفرت دی دِیواراں نوں ایہ سچّل جذبے ڈھا لیندے نیں

جِہناں دے عملاں دے سِر تے اَج وی دنیا وسدی اے
پیار دے دیپ جلا کے اوہ دھرتی اَسمان بنا لیندے نیں

کل دی گل نہ کرنا سجنو کل کسے وی تکیا نہیں
اپنا اَج سوارن والے جگ تے مان ودھا لیندے نیں

تہاڈے نال سوہنیو میں دوستی وی لائی اے
گل وی نبھائی اے تے توڑ وی پہچائی اے

واجاں دے دے ہار گئی مُڑ کے نہ تکیا
نِیویں پا کے لنگھدے او ڈاڈھی حیرانی اے

پیار نُوں میں لبھدے ایہ عمر گنوائی اے
کدی بہہ کے سُن لینا لمی ایہ کہانی اے

سماں برسات دا اے دل ساڈا ڈولدا
سوہنی مٹیاراں ہن پینگھ کدوں پانی اے

رانجھے نال پیار پا کے اِنج تے فر ونا سی
کُونج وانگوں ہیریئے توں کاہنوں کُرلانی اے

مزا اساں لینا ہُن چاننیاں راتاں دا
کوٹھے اُتے سونا اے تے منجی وی اُنانی اے

لونگ والی گُڑی میرا دل پرچاندی اے
پچھے پچھے جانا اے تے گل وی ودھانی اے

شہر وِچ اساں کل میلے اُتے جانا اے
کپڑے دُھلانے نیں تے جُتی وی گنڈھانی اے

دل میرا کردا کہ واج ایہنوں ماراں میں
ڈر منوں لگے اوہدے ہتھ چ مدھانی اے

مٹی دے گھر برساتاں وِچ ڈھہ جاندے نیں
پکے پتھر درد ہُلاّرے سہہ جاندے نیں

ہولی ہولی اپنا پینڈا پورا کر
نسن بھجن والے تھک کے بہہ جاندے نیں

ٹُر جاند نیں جاون والے پُچھدے نہیں
گجھیّاں پیڑاں درد کھلارے رہ جاندے نیں

کملے لوک سیانے کِنّے ہوندے نیں
کملے بن کے ڈونگھیاں گلاں کہہ جاندے نیں

ہجر سمے وِچ اِنج وی ہوندا اے شہنازؔ
موتی ڈُلھ جاندے نیں تارے رہ جاندے نیں

13

کھلتی کلیاں مہکے پھول

قرآن

قران کے تمیں سپارے ہیں
پڑھتے مسلماں سارے ہیں
الفاتحہ پہلی سورت ہے
ہر انسان کی یہ ضرورت ہے
آخری سورت ہے والنّاس
اس کو ہمیشہ رکھو پاس
چھوٹی سورت کوثر ہے
یہ سب کو ہی ازبر ہے
سورت بڑی ہے البقرہ
بھٹکا نہیں جس نے پکڑا

یٰسین ہے روحِ قرآن
صلّی علیٰ کا ہے فرمان
الرحمٰن سے پاؤ شفاء
یہ ہے رستہ سیدھا سا
قرآں ایک ہدایت ہے
یہ مولا کی عنایت ہے

نمازوں کے نام

جو بھی اچھا بچہ ہے
حُکمِ خدا پر چلتا ہے
نور کے تڑکے اٹھتا ہے
فجر ادا وہ کرتا ہے
پھر اسکول وہ جاتا ہے
ظہر کو واپس آتا ہے
کھاتا ہے سو جاتا ہے

☆

ماما کہتی ہیں بیٹا
عصر ہوئی ہے مسجد جا

پڑھنے کی اب باری ہے
مغرب کی تیاری ہے
سب کو عشاء تو پیاری ہے
جو بھی عبادت کرتا ہے
ربّ سے ہمیشہ ڈرتا ہے

رمضان المبارک

رمضان رحمتوں سے
بھرپور اک مہینہ
دن میں نہیں ہے کھانا
پانی نہیں ہے پینا
مولا سے ڈرتے رہنا
ہر عیب چھوڑ دینا
پڑھنا نمازیں ساری
تم سیکھ لو گے جینا
سحری بھی اس میں آئی
افطار بھی ہے کھائی

تم نے تو اس مہینے
کر لی بہت کمائی
جس نے بھی رکھے روزے
ہے عید اُس کی بھائی

گنتی

ایک دو تین
آؤ بجائیں بین
ایک کے آگے دو ہے
یہ ہندسوں کا شو ہے
چار کے آگے پانچ
سانچ نہ پائے آنچ
پانچ کے آگے چھ ہے
وقت کا ساتھی یہ ہے
سات کے آگے آٹھ
خوب ہیں اس کے ٹھاٹھ

آٹھ کے آگے نو ہے
یہ گنتی کی رَو ہے
نو کے آگے دس ہے
گنتی یہاں پر بس ہے

حروفِ تہجی

ابو الف کی شان
ب سے باجی جان
پ ت ٹ ث دیکھو بچو
جیسے ایک کمان
ج چ ح خ ایک طرح کے
ایک ان کی پہچان
د ڈ ذ بھلے لگتے ہیں
لفظوں کا ہیں مان
ر ڑ ز ژ سیکھ گئے
آگے بڑھو نادان

س ش ص ض ایک ہی جیسا

دیتے ہم کو دھیان

ط ظ ع غ ف ق ک گ

حروفوں کا ہیں گمان

ل م ن و ء آئے

بڑھ گئی اپنی شان

ی ے دوڑے آئے

حرف ہیں پورے جان

آج کا بچہ

آج کا بچہ نہ جگنو نہ ستارے مانگے
پھول تتلی نہ کھلونے نہ غبارے مانگے
برقی رو دور کے بچے کے ہیں برقی اعصاب
ذہن میں اس کے سوال اتنے ہیں ملتے نہ جواب
آنکھ کھلتے ہی رموٹ اس کو تھمائے بابا
کیلکولیٹر پہ حساب اس کو سکھائے بابا
کمپیوٹر تو کبھی ڈش بھی دکھائے بابا
راستہ اک نئی دنیا کا دکھائے بابا
خواب بیکار ہیں بچوں کو بتائے بابا
راز چندا کے ستاروں کے بتائے بابا

ایسے میں کیسے وہ خوش رنگ نظارے مانگے
کوئی دریا یا سمندر یا کنارے مانگے
پھول تتلی یا کھلونے یا غبارے مانگے
آج کا بچہ نہ جگنو نہ ستارے مانگے

دوستی

پیار اک ایسا ناتہ ہے
سب کے دل کو بھاتا ہے
ہم سب اچھے بچے ہیں
بھولے بھالے سچے ہیں
رنگ و نسل کا جھگڑا کب
کوئی بھی ہم سے بگڑا کب
مل جل کر ہم رہتے ہیں
ہر دکھ ہنس کر سہتے ہیں
جس سے دوستی کرتے ہیں
وہ ہی اچھے لگتے ہیں

سندھی بلوچی اور پٹھان
پیار محبت کی پہچان
دیس میں جتنے بچے ہیں
دوست ہمارے پکے ہیں
پاکستان میری پہچان
اس سے قائم ہے ایمان
دوست کو ہم بتلائیں گے
اس پر جان لٹائیں گے

جوکر

بچو میں اک جوکر ہوں
شاید کچھ میں گڑبڑ ہوں
مجھ کو دیکھ کے سارے بچے
پیارے راج دلارے بچے
کھِل کھِل کھِل کھِل ہنستے ہیں
کتنے پیارے لگتے ہیں
بچو میں اک جوکر ہوں
شاید کچھ میں گڑبڑ ہوں
خوش کرنے کو بچوں کو
بھیس بدل کر اپنوں کو

کرتب بھی دکھلاتا ہوں
سب کا جی بہلاتا ہوں
بچو میں اک جوکر ہوں
شاید کچھ میں گڑبڑ ہوں
بچے پاس آ جاتے ہیں
تصویریں بنواتے ہیں
کچھ بچے ڈر جاتے ہیں
کچھ گودی چڑھ جاتے ہیں
بچو میں اک جوکر ہوں
شاید کچھ میں گڑبڑ ہوں

خوشیاں ان کو دیتا ہوں
خوشیاں ان سے لیتا ہوں

ان کے ساتھ ہی رہتا ہوں
اور ہنس کر یہ کہتا ہوں
بچو میں اک جوکر ہوں
شاید کچھ میں گڑبڑ ہوں

پیٹ کی خاطر مرتا ہوں
اپنا روپ بدلتا ہوں
پیار یہ اُن کے پلتا ہوں
ٹھمک ٹھمک چلتا ہوں
بچو میں اک جوکر ہوں
شاید کچھ میں گڑبڑ ہوں

روز تماشا ہوتا ہے
مجھ کو اچھا لگتا ہے

روپ یہ مجھ پہ سجتا ہے
ہر اک پھبتی کستا ہے
بچو میں اک جوکر ہوں
شاید کچھ میں گڑبڑ ہوں

قائداعظم

ملتِ بیضا کی عظمت کا نشاں بن کر رہا
وہ رہا جب تک زمیں پر آسماں بن کر رہا

ناتواں تھا جسم لیکن عزم تھے اسکے بلند
دشمنوں کی راہ کا سنگِ گراں بن کر رہا

کھا رہی تھی قوم راہِ زندگی میں ٹھوکریں
راہروانِ بے اماں کی وہ اماں بن کر رہا

کارواں گم کر وہ منزل تھا فضا تاریک تھی
رہنمائی کے لئے وہ شمع ساں بن کر رہا

دشمنوں کو دانش و حکمت سے دی اس نے شکست
زندگی بھر قوم کا وہ مہرباں بن کر رہا

دشمنی کی دھوپ کی شدت قیامت خیز تھی
منزلِ فکر و عمل میں سائباں بن کر رہا
قوم کے مردوں دلوں میں اس نے بھر دیں بجلیاں
شوکتِ اسلاف کا وہ ترجماں بن کر رہا
ملک پاکستان اس کی کوششوں کا ہے ثمر
فکر سے اس کی یہ نقشِ جاوداں بن کر رہا
قائداعظم جسے شہنازؔ کہتا ہے جہاں
عالم ہستی میں جانِ داستاں بن کر رہا

راہ اسلام

دنیا میں جسے اپنی بھی پہچان نہیں ہے
سچ بات تو یہ ہے کہ وہ انسان نہیں ہے
تہذیبِ نوی نے تجھے چھوڑا نہ کہیں کا
ناداں تری ذات ہے اک بوجھ زمیں کا
آباء کی وراثت سے دامن ترا خالی
پھر بھی تو حیات اپنی سمجھتا ہے مثالی
اسلام کا پیغام فراموش کیا ہے
اللہ کا انعام فراموش کیا ہے
وہ رنگِ محبت ہے نہ وہ جوشِ حمیت
پہلی سی شجاعت نہ مروت نہ وہ جرات

کہنے کو تو کہلاتا ہے دنیا میں مسلمان
محکم ہے ترا دین نہ پختہ ترا ایمان
فرمودۂ قرآن پہ دن رات عمل کر
مل جائے گی منزل رہِ اسلام پہ چل کر

14

جادہِ عرفاں

آس کا جنگل

اک آس کے جنگل میں کھو کر
میں اپنا آپ گنوا بیٹھی
رُخ موڑا سُکھ کی چھایا نے
نت جوت غموں کی جگا بیٹھی

اس جگ سے پریت لگا بیٹھی
میں کیسا دھوکا کھا بیٹھی
میں کاہے پیت لگا بیٹھی

تاریک تھا آسوں کا جنگل
منزل کی راہ بھلا بیٹھی

اک پیار کا دیپ جلا کر میں
اب سارے دیپ بجھا بیٹھی

میں کاہے روگ لگا بیٹھی
میں کاہے دھوکا کھا بیٹھی
میں کاہے پیت لگا بیٹھی

میں بے بس ہوں من بے قابو
ان نینوں میں تھا کیا جادو
بِن سوچے بن سمجھے آ لی
میں اپنا اس کو بنا بیٹھی
تن من کی سُدھ بِسرا بیٹھی
میں کاہے دھوکا کھا بیٹھی
میں کاہے پیت لگا بیٹھی

مقصد پانے کی جلدی میں
میں ریت پہ نقش بنا بیٹھی
بن سوچے سمجھے منزل کی
سب رستے آپ مٹا بیٹھی

اس جگ سے پریت بڑھا بیٹھی
میں دھوکا کاہے کھا بیٹھی
میں پیت کاہے لگا بیٹھی

یادوں میں اس کی کھو گئی
چپکے سے اس کی ہو گئی میں
میں آ کر اس کی باتوں میں
سُکھ اور چین گنوا بیٹھی

میں دل میں پریت بسا بیٹھی
میں کاہے دھوکا کھا بیٹھی
میں کاہے پیت لگا بیٹھی

من اندر بیٹھا پی میرا
رٹ پی پی کی میں لگا بیٹھی
من کا دروازہ بند کر کے
میں کاہے پی کو بھلا بیٹھی

انجان تھی دھوکا کھا بیٹھی
میں کاہے روگ لگا بیٹھی
میں کاہے پیت بڑھا بیٹھی

من کا دروازہ کھول پیا
تو اندر میرے بول پیا
سنگ ہے تیرا انمول پیا

اب بول پیا اب بول پیا
من کا دروازہ کھول پیا

سب رشتے ناطے توڑ چکی
میں دنیا سے منہ موڑ چکی

اب تیرے دوارے آ بیٹھی
اس جگ سے پریت ہٹا بیٹھی

انجان تھی دھوکا کھا بیٹھی
اب جگ سے پریت ہٹا بیٹھی
اب تیرے دوارے آ بیٹھی

مُکھ اب تو اپنا کھول پیا
نہ عمل کو میرے تول پیا
دکھ جیون میں نہ گھول پیا
اب بول پیا اب بول پیا

میں تیرے دوارے آ بیٹھی
اس جگ سے پریت بنا بیٹھی
نادان تھی دھوکا کھا بیٹھی
اب جگ سے پریت ہٹا بیٹھی

مُکھ اب تو اپنا کھول پیا
اب بول پیا اب بول پیا

15

قرضِ وفا

(نظمیں)

اسمِ محمدؐ

ذہن دریچے کھول کے بیٹھی
ہاتھ پہ رکھے ہاتھ
کیسے لکھوں نعت
بھیگا چہرہ بھیگی پلکیں
بھیگ رہی ہے رات
چشمِ بینا نورِ بصیرت
کوئی نہ دیگا ساتھ
اسمِ محمدؐ دل پہ جو اُترے
پھر ہی بنے گی بات

قرضِ وفا

وہ مِری زیست کا پیمبر تھا
لوگ کہتے ہیں وہ ستمگر تھا

وہ جو جھُکتا تو کس طرح جھُکتا
اس کے آگے اَنا کا پتھر تھا

میں نے پتھر سے پھوڑ ڈالا سر
ایک قرضِ وفا مِرے سر تھا

خود فریبی

یہ محبت بھی کیا عجب شے ہے
خود فریبی کا ساتھ دیتی ہے
میری ہستی ہے تیرے ہجر میں گم
کتنے انہونے خواب بُنتی ہوں
پھول یادوں کے تیری چُنتی ہوں
دوش میں تجھ کو دے نہیں سکتی
تیری ہر بات کو سمجھتی ہوں
تیرے جذبات کو سمجھتی ہوں
پھر بھی میں اعتبار کرتی ہوں
اور ترا انتظار کرتی ہوں

جانتی ہوں کہ تو بھی میرے بغیر
کتنا تنہا سا لگ رہا ہو گا
اور میری طرح سے تیرا بھی
دل وہاں پر نہ لگ رہا ہو گا
اور میں وقت کا ہر اک لمحہ
اس طرح کاٹتی ہوں گن گن کر
وقت ہو گا وہ کون سا جب تُو
میرے نزدیک آن بیٹھے گا
اور بتلائے گا یہ دھیرے سے
کیسے گزرا تھا وقت میرے بغیر

تاج محل

ایک انجان سی دنیا کا حسیں تاج محل
جسے جیون کی حسیں راہگزر پر دیکھا
ایک مبہم سی تمنا مری موہوم اُمید
دور گوشے میں مرے دل کے اچانک جاگی
رک کے اس خواب کی تعبیر کو میں دیکھ تو لوں
اس کے اجمالِ فسوں خیز کی تعریف کروں
اس کے پُر نور تقدس کے حسیں خالق کو
کس طرح نذرِ عقیدت کی مدح پیش کروں
میری ششدر سی نگاہوں کو پریشان پا کر
پاس سے حضرتِ مجذوب نے پوچھا آ کر

جذب و مستی کی بقا تو نے کبھی دیکھی ہے
عشق و ہستی کی فنا تو نے کبھی دیکھی ہے
فلسفہ جذب و فنا کا جو سمجھ جائے تو
پھر تو بن جاتے ہیں کتنے ہی حسیں تاج محل

لوحِ وجود

کوئی تو ہو جو مرے ساتھ چل سکے دو پل
کوئی تو ہو جو مرے دل کی بات کو جانے
کوئی تو ہو جو مرے ہی وجود جیسا ہو
کوئی تو ہو جو مری ذات کا حصہ ہو
کوئی تو ہو جو مری وحشتوں کی بھٹی کو
وفا کی دھیمی پھواروں سے ماند کر ڈالے
کوئی تو ہو جو مرا صرف میرا اپنا ہو!

برّاق لباسوں میں سیہ دل

تیار ہوں میں کردو قلم ہاتھ بھی میرے
جو دل میں ہے قرطاس پہ بکھرے گا وہ اک دن
جذبات کی آندھی تو اڑا دیتی ہے سب کچھ
اور دل میں لگی آگ بھڑک جاتی ہے کچھ اور
ہوں کتنی میں بے بس کہ نظر آتا ہے سب کچھ
مظلوموں کے چہرے پہ سجی کرب کی تصویر
وا ہوتی ہے اخبار میں میرے لیے ہر روز
تصویرِ ستم رہتی ہے آنکھوں کے مقابل
الفاظ کو پڑھنے کے میں رہتی نہیں قابل
دعویٰ ہے ہمیں یہ بھی کہ انسان ہیں ہم سب

پر ہم نے یہاں بھیڑیے کی کھال پہن کر
انسان کے لاشے کو کھلا چھوڑ دیا ہے
کچھ بھوک بڑھا دیتی ہیں سڑتی ہوئی لاشیں
انسان نما شیر جھپٹ لیتے ہیں بڑھ کر
اکڑے ہوئے طرّے ہیں چمکتی ہوئی کاریں
براق لباسوں میں ہیں ملبوس سیہ دل
انسان کے لاشے کو یہاں روندر ہے ہیں
اقدار سے، ناموں سے سجائے گئے کالر
ہر روز نیا ایک چلا لیتے ہیں چکر
انساں نہ کہوں ان کو یہ ہیں وحشی جناور
انسان ہیں انساں کا لہو چوس رہے ہیں!

موم کے سائبان

سکوتِ شام میں بجی ہوئی گھنٹی کی آوازیں
اُفق میں ڈوبتے سورج کی سرخی
فضا میں تیرتے بادل کے ٹکڑے
اور بدلتی رُت کی خوشبو
وہی منظر
کسی سپنے کی صورت آنکھ کی پتلی میں رہنے دو
ہجومِ بیکراں ہے
کوئی سمجھا ہے نہ سمجھے گا
کسی برگد کا دکھ
اور ڈار سے بچھڑی ہوئی اک کونج کی لمبی اُڑانوں کو

کہ سب کے سب تو خود کھوئے ہوئے ہیں
اور اپنی ان چمکتی تیز آنکھوں کو مچانوں پر سجایا ہے
تو یوں تاریکیاں اندر ہی اندر بڑھتی جاتی ہیں
سلاسل یاس کے پھیلے ہوئے ہیں
سمندر دور، دریا دور، بادل دور ہیں جاناں
کڑی ہے دھوپ منزل بے نشاں ہے
کسی دیوار کا سایہ
کوئی بارانِ رحمت کی ردا سر پر نہیں ہے
کہ جتنے سائباں ہیں سب کے سب ہیں موم کے جاناں
ہجومِ بیکراں ہے
اور اب اِن سائبانوں میں
جو جلتی آگ سے قطروں کی صورت بہہ رہے ہیں

اماں کس کو ملے گی؟

کون ٹھہرے گا یہاں؟

ہجوم دھر کو کیا ہو گیا ہے

کہ ہر اک آرزو کو جستجو کو ختم کر کے

اپنی آنکھوں کو مچانوں پر سجایا ہے

ابھی سورج کو جلنا ہے

ابھی سورج کو جلنا ہے
ابھی رستوں کو چلنا ہے
ابھی اس جاں فشاں نے
یہ گولا آگ کا یوں ہی بوقتِ صبح اُگلنا ہے
اگر سورج ہی بجھ جائے
تو کیسے راستے ہوں گے؟
سکوں سورج کو تو مل جائے گا
ویرانیاں ہوں گی
یہ سب حشرات جن کو رب نے بینائی نہیں بخشی
انہیں سورج دیا ہے
اسی روشنی کی لو کو لے کر

وہ نکلتے ہیں
اندھیری راہ چلتے ہیں
یہ سورج مر نہیں سکتا
یہ سورج روشنی کا اک قدیمی اِستعارہ ہے
اسی نے اس کو مارا ہے
میں اپنے ناتواں کندھوں پہ اک دیوار چنوا کر
اسے مرنے نہیں دوں گی
میں اس کی قرمزی کرنوں کو خود میں قید کرلوں گی
میں خود جلنے لگوں گی
روشنی اس کی بکھیروں گی
یہ سورج مجھ کو پیارا ہے
یہ سورج مجھ کو پیارا ہے

جی چاہتا ہے خود پہ مجھے اختیار ہو

جی چاہتا ہے دور تلک ہو حسین شام
بادل سا ہو وجود مرا آسمان پر
میں بھی ہوا کے دوش پہ ہر سو اڑ کر دیکھوں
اور پر لگا کے سارا جہاں دیکھتی رہوں
ہلکی ہو اس قدر یہ مری روح مری جان
اس نیلے آسماں پہ مرا اختیار ہو
میرا وجود اِس سمے مجھ پر نہ بار ہو
چاہوں تو ساتھ رات کے تارے چنا کروں
چاہوں تو چاندنی کی حسیں ہر کرن کے ساتھ
میں بھی زمیں کے پانیوں پر عکس بن سکوں
میں اس کی موج موج میں خود کو بکھیر دوں

گہرے حسین ساگروں کے ساتھ بہہ سکوں
میں تہہ میں اس کی سیپیوں کے ساتھ رہ سکوں
جی چاہتا ہے خود پہ مجھے اختیار ہو
میرا وجود اس سمے مجھ پہ نا بار ہو
یہ سوچتی ہوں میں بھی کبھی کھل کے ہنس سکوں
میری ہنسی میں ساتھ مرے آسمان ہو
ہنستی ہوئی زمین ہو ہنستا جہان ہو
میں مسکراؤں گر تو فضائیں بھی ہنس پڑیں
گر آنکھ میری نم ہو تو پھر میرے ساتھ ساتھ
یہ آبشار جھرنے یہ بادل برس پڑیں
یہ تتلیاں یہ جھیل سمندر کو ہسار
خود اپنی وسعتوں میں مجھے بھی سمیٹ لیں
جی چاہتا ہے خود پہ مجھے اختیار ہو
میرا وجود اس سمے مجھ پر نہ بار ہو

دائروں کے درمیان بنتا شہر

دائروں کے درمیان بنتے ہوئے اک شہر میں
بے در و دیوار سے کچھ گھر نظر آئے تو ہیں
میری نظریں دور تک اس پھیلتے گرداب میں
دھندلے دھندلے کتنے منظر دیکھی ہیں رات دن
کچھ ہیولے عکس کی صورت یہاں حرکت میں ہیں
ان کے ہاتھوں میں یہ کیا ہے؟
کوئی تیشہ ہے، قلم ہے یا کوئی تلوار ہے!
سب کے سب خود کاتبِ تقدیر بننے کے لیے
جُنبش میں ہیں
کیا وہ ضربِ تیشہ سے

یا کاٹ سے تلوار کی

اس فضا کو اس زمیں کو

اور اس شہرِ سکوں کی خامشی کو

توڑ دینے پر تلے بیٹھے ہیں آج

یا بے درو دیوار سے ساکت سے اس ماحول میں

بے چہرگی کا دکھ لیے چلتی ہوا پر

ایک جنبش سے قلم کی نقش کر دیں گے

کوئی بھدا سا پیکر

یا کوئی تحریر ایسی

بوجھ جس کا آج یہ معصوم بستی

دائروں کے درمیاں کب سہہ سکے گی

اور اس چلتی ہوئی تلوار سے، تیشے سے

بے چہرہ ہوا کا جسم بھی کٹ جائے گا

دائرے بڑھتے رہیں گے
پھیل جائیں گے نشاں
اور پھر بننے سے پہلے ہی اُجڑ جائے گی بستی
دائروں کے درمیاں

تجھے پر کھولنا ہوں گے

فضائیں دھند میں لپٹی ہوئی ہیں
تجھے پرواز کرنا ہے
تجھے پر کھولنا ہوں گے
تجھے در کھولنا ہوں گے
فضاؤں میں بکھرتی ریت
آنکھوں میں اتر جائے
ہواؤں کے بگولے بھی حصارِ راہ بن جائیں
فضا میں پھیلتی یہ دھند
تاروں کی کوئی ننھی کرن باہر نہ آنے دے
اُجالے بخشنے والا مسیحا کھو گیا ہو

تجھے پرواز کرنا ہے

تجھے پر تولنا ہوں گے

تجھے در کھولنا ہوں گے

تلاشِ جاں کے سب راہی

کبھی دم توڑتے تاروں کی کرنوں سے الجھتے ہیں

کبھی موجوں سے لڑتے ہیں

کبھی طوفانوں میں بڑھتے ہیں

کبھی ٹوٹی ہوئی نیا سے بن پتوار دریا پار کرتے ہیں

شبِ تاریک میں سویا ہوا یہ چاند

آنکھیں موند کر سب دیکھتا ہے

اور یہ دھیرے سے کہتا ہے

نہ ہو سیماب پا جاناں

کہ یہ ظلمت کے رستے ہیں

مگر راہِ جنون میں

تیرگی سے کون ڈرتا ہے

اندھیری رات میں شبِ زاد پیکر بھی

یونہی گرتے نہیں ہیں

کہ اک ٹوٹے ہوئے تاروں کی اک دھیمی کرن

منزل کے رستے کھول دیتی ہے

تجھے پرواز کرنا ہے

تجھے پر تولنا ہوں گے

تجھے در کھولنا ہوں گے

اصلی چہرے پہ نیا چہرہ

جب بناتی ہوں تمناؤں کا مدفن کوئی
خوب ہنستی ہوں میں خود اپنی ہی بربادی پر
دن تو کٹ جاتا ہے ہر درد پہ ہنستے ہنستے
اصلی چہرے پہ نیا چہرہ سجا لیتی ہوں
خود کتنے ہی عذابوں سے بچا لیتی ہوں
ہنستے ہنستے جو ستارے سرِ مژگاں چمکے
گوشۂ چشم میں چپ چاپ چھپا لیتی ہوں
ضبطِ گریہ کا سلیقہ بھی یہاں سیکھا ہے
غم میں ہنسنے کا قرینہ بھی مجھے آ ہی گیا
گردشِ وقت کی ہر ایک حسیں ٹکر سے

آئینہ دل کا چٹختا ہے بکھر جاتا ہے
کوئی آواز مگر اس کی نہیں سن سکتا
کرچیاں دل کی فضاؤں میں بکھر جاتی ہیں
سسکیاں میری ترنم میں بدل جاتی ہیں
دن کے میلے سے نکل کر شبِ تنہائی میں
کتنا دشوار ہے یوں خود کو سنبھالے رکھنا
سوچتی ہوں کہ وہی میں ہوں وہی دنیا ہے
ہے سبھی کچھ تو وہی دن کے اُجالوں کے سوا
خول جو صبح تھا چپکے سے ہٹا دیتی ہوں
اصلی چہرہ نئے چہرے پہ لگا لیتی ہوں
دکھ کے سائے جو نظر آتے ہیں اب آنکھوں میں
ایک خنجر سا مرے دل میں اُتر جاتا ہے
چند گھڑیاں جو مجھے ملتی ہیں تنہائی کی
وہی لمحے تو مرے صرف مرے اپنے ہیں

چشمِ گریہ کو اجازت ہے برس جانے کی

چیخ جو گھٹ سی گئی صبح کی پہنائی میں

رات کے پچھلے پہر لب پہ مرے آتی ہے

اپنے دکھ خود سے ذرا دیر میں کہ لیتی ہوں

دو گھڑی ساتھ میں اپنے ذرا رہ لیتی ہوں

بوجھ ہلکا شبِ تنہائی میں ہو جاتا ہے

تازہ دم ہو کے اجالوں میں نکل آتی ہوں

ہنستے ہنستے میں ہر اک زہر نگل جاتی ہوں

اصلی چہرے پہ نیا چہرہ سجا لیتی ہوں

خود کو کتنے ہی عذابوں سے بچا لیتی ہوں

چھاؤں جلتی رہی

میری شہہ رگ میں بہتا لہو جم گیا
میرا دل تھم گیا
سایہ کب مل سکا
چھاؤں جلتی رہی
دل جلاتی خراشیں مرے ساتھ تھیں
میں بھی بجھتی ہوئی راکھ کے ڈھیر میں
سانس لیتی رہی
کتنے موسم یونہی بے ثمر سے گئے
پتے جھڑتے رہے نخلِ امید کے
چھاؤں جلتی رہی
زخم تپتے رہے

موسموں کے حسیں رنگ ڈھلتے گئے

وہم کے ناگ بڑھ بڑھ کے ڈستے رہے

جال بنتے گئے

اور شکاری مچانوں کو تکتے رہے

راستے ہم سے مل کر بچھڑتے رہے

ہمسفر کچھ ملے ساتھ چلتے رہے

شہر سا بن گیا میرے اطراف میں

اور دیوانہ پن میرا بڑھتا گیا

میرے اندر جو لاوا تھا افکار کا

وہ پگھلتا رہا

اک تلاطم سا سینے میں برپا رہا

خود بخود لفظ مجھ پر اترتے رہے

شعر ہوتے رہے

فکر کی بھیڑ میں میں بھی کھو سی گئی

کیسے پہچان سکتی کہاں پر ہوں میں
فکر کا شہر تھا ایک جادو نگر
خوف تھا مجھ کو پتھر نہ بن جاؤں
مڑ کے دیکھا نہیں
دل کی دہلیز سے دور ہوتی گئی
کون ہوں میں کہاں ہوں
پتا کچھ نہیں
خود کو پہچاننا اب تو دشوار ہے
سانس چلتی رہی میں بھی بڑھتی رہی
گھاؤ جب بھی لے مجھ کو ایسا لگا
میری شہہ رگ میں بہتا لہو جم گیا
میرا دل تھم گیا
سایہ کب مل سکا
چھاؤں جلتی رہی

درد صلیبیں

کبھی تند ہوا کے جھونکوں سے
مہجور پرندے ٹکراتے
کبھی عشق کے اندھے موسم میں عفریت خزاں کے در آتے
کبھی درد صلیبوں پر جاناں
قزاق فضا کے کھنچواتے
ماحول کی ڈوبتی نبضوں میں
دم سادھے بیٹھے سوچتے تھے
کیا ایسا بھی ہو سکتا ہے
ایک انساں ہو جلا دنما
جو درد صلیبوں پر لٹکے
مصلوب پرندوں پر آ کر

تیشے سے ضرب لگاتا ہو
اور کیلیں ٹھونکتا جاتا ہو
یہاں اکثر ایسا ہوتا ہے
یہ منظر میں نے دیکھا ہے
پھر دیکھ رہی ہوں میں جاناں
ہر شخص ہراساں پھرتا ہے
اک مردہ پھیکی حیرت وہ
چہرے پہ سجائے رکھتا ہے
زندہ سا نظر آنے والا
اک ساکت ذہن و جسم لیے
بس چلتا پھرتا رہتا ہے
دم اس کا گھٹتا رہتا ہے
منظر تو آخر منظر ہے
ہر وقت بدلتا رہتا ہے

پھر گرتا پردہ اُٹھتا ہے

پھر میری آنکھیں دیکھتی ہیں

پھر تیز ہوا کے جھونکوں سے

مہجور پرندے ٹکرائے

پھر عشق کے اندھے موسم میں

عفریت خزاں کے در آئے

بندھے ہاتھوں کے زندہ لفظ

مرے احساس کو مغوب کر دینے کی سازش میں
مرے رستے کی ساری روشنی کس نے بجھادی ہے
مرے ہاتھوں کو کس نے جبر کی ڈوری سے باندھا ہے

اے مرے مہرباں
مجھ کو نہ یوں مفلوج کرنے کی تو کوشش کر

یہ رستے میرے رستے ہیں
اگر اِن راہ گزاروں پر کبھی سورج نہ چمکے
یہ تاریکی میں چھپ جائیں

مرے اندر اجالا ہے
میں اس کی روشنی میں

رات کو بھی دن بنالوں گی!

میرے ہاتھوں کو بے شک جبر کی زنجیر پہنا دو
میں اپنے اِن بندھے ہاتھوں سے زندہ لفظ لکھوں گی

ابھی کچھ خواب بُننا تھا

مری چنری کے پلو میں مرے دستِ حنائی میں
مہکتی یاد کی کلیوں کے گجرے کس نے باندھے ہیں
خلا کے پار تکتے بینائی بھی پتھرائی
ابھی کچھ خواب بُننا تھے ابھی کچھ اور کہنا تھا

گھٹا ساون کی برسی میرے گھر کے سونے آنگن میں
مری آنکھوں کا کاجل بہہ گیا موسم بدلنے سے
حسیں یادوں کے منظر ایک پل میں ہو گئے جل تھل
ابھی کچھ خواب بُننا تھے ابھی کچھ اور کہنا تھا

بہت ظالم ہے برکھا رُت دھکتی آگ کے شعلے
برستی گنگناتی شوخ رم جھم سے بجھاتی ہے
مجھے حیران کر دیتی ہے کچھ کہنے نہیں دیتی
ابھی کچھ خواب بُننا تھے ابھی کچھ اور کہنا تھا

زخمی پرندے کی اڑان

گھپ اندھری سردی خاموشی سہمی رات میں
آسماں کی وسعتوں میں سرسراہٹ سی ہوئی
پھر کوئی زخمی پرندہ ہے تلاشِ رزق میں
پھر اسے درپیش نیلے پانیوں کا ہے سفر
دشمنِ جاں گھات میں ہیں اِس کو تنہا دیکھ کر
تیر ترکش میں سجا لیتے ہیں اُڑتا دیکھ کر
زخم خوردہ ننھی جاں کا حوصلہ تو دیکھنا
سامنے اسکے خلائے بیکراں ہے دیکھنا
آدھے پر تو نوچ ڈالے میں کسی صیاد نے
حکم ہجرت کا دیا ہے پھر کسی قزاق نے

موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر ڈرتا نہیں
تیر ترکش سے ہیں نکلے وہ مگر گرتا نہیں
غیب کی آواز پر آمادۂ پرواز ہے
اُڑ رہا ہے کیسے دیکھو جیسے وہ شہباز ہے
تیر ہیں پیوست کتنے اس کے چھلنی جسم میں
اور وہ زخمی پرندہ ہے تلاشِ رزق میں
کچھ سکوں ساحل پہ ہے طوفاں گزر جانے کے بعد
وہ بھی اترا ہے یہاں پر بال و پر جانے کے بعد
پھر اسے درپیش نیلے پانیوں کا ہے سفر
رہ میں بکھرے ہوئے کچے گھڑے اور بال و پر

چاہت

یوں تو ہر لمحے ترا ساتھ میری چاہت ہے
ترا احساس ترا پیار میری جنت ہے
پھر بھی کچھ لمحے ترے بن بھی گذارے میں نے
وقت کا کرب اکیلے بھی سہا ہے میں نے
آج جیون کی کڑی دھوپ میں چلتے چلتے
تھک گئے پاؤں میرے آگ میں جلتے جلتے
آبلہ پائی سے آزردہ نہیں ہوں جاناں
تلخی دور سے درماندہ نہیں ہوں جاناں
عزم بھی دل میں ہے اور عزم سفر بھی جاناں
وقت کی گرد نے راہوں کو میری ڈھانپا ہے!

رتجگوں کی مسافت

بہت لمبی مسافت
رتجگوں کی میں نے کاٹی ہے
کسی بھی پرسکوں ساعت کا
کوئی بھی حسین لمحہ
مری بے خواب آنکھوں میں اتر آئے
کہ اب تو
ضبطِ گریہ جان لیوا ہوتا جاتا ہے
میں اک گرتی ہوئی دیوار کی مانند
شکستہ ہوں
ادر اک لمبی مسات کی تھکن سے
بدن دکھنے لگا ہے

سانس قابو میں نہیں آتی

یہ کیسا حبس موسم ہے

کہ جس نے روح کو گھائل کیا ہے

ہیں اتنے زخم سینے پر

کہ اب گننا بھی مشکل ہے

کوئی آنسو نہیں ٹپکا

کسی ارماں کے مرقد پر

کہ ہم بھی کربلائے ذات کے قیدی رہے ہیں

مگر تو جانتا ہے

کچھ بھی ہو

کیسا بھی ہو

احساس کی تلخی کا کتنا بوجھ ہوتا ہے

مرے اپنے بنائے ریت کے گھر

اور

مٹی کے کھلونے راہ میں بکھر پڑے ہوں
کبھی شکوہ نہیں ہوتا
کبھی ماتم نہیں ہوتا

یہ کیسا رتجگا ہے
یہ بے خوابی سی کیسی
آج آنکھوں میں اترتی ہے
کہ یہ دُکھتا بدن
اُکھڑتی سانس کہتی ہے
کوئی خواب حسیں ہی بھیک میں مجھ کو کبھی دے دے
وگرنہ اے خدا یہ زندگی لے لے

مٹی

مٹی لے کر ہاتھ میں اپنے
کب سے بیٹھی سوچ رہی ہوں
میں بھی مورت مٹی کی ہوں
مجھ کو ڈھالا رب نے میرے
میں یہ مٹی کیسے ڈھالوں
کوزے ڈھالوں
یا بت ڈھالوں
گھر میں لگواؤں
گور بناؤں

مٹی یہ بھی

مٹی میں بھی

کیوں نہ اب میں دور کی سوچوں

مٹی کھیلوں مٹی پہنوں

اور مٹی ہو جاؤں

یادیں

ریت کے ساحل پہ کچے گھر بنانا توڑنا
تتلیوں کے پر ہتھیلی پر سجانا دیکھنا
شام کی دہلیز پر آنچل دھنک رنگ آس کا
ڈوبتے سورج کے سائے میں بکھرتا دیکھنا
دن ڈھلے یونہی کھڑے رہنا گھنے پیڑوں تلے
گھر پلٹتے پنچھیوں کی خیریت کا پوچھنا
مٹھیوں میں جگنوؤں کو بند کر کے دیر تک
جگمگاتی سرخ ہوتی انگلیوں کو دیکھنا
سب حسیں منظر نگاہوں میں چھپا کر رات بھر
نیند کے ساحل پہ چلنا خواب رستے ڈھونڈنا

وقت کی اس دوڑ میں مجھ کو بہت اچھا لگا

برق رفتاری سے تھکنا پیچھے مڑ نا دیکھنا

کسی قدر تسکین ملتی ہے مجھے اس امر سے

یاد کرنا بیتی باتیں اور گھنٹوں سوچنا

15.1

عشق تماشا

(نظمیں)

چلتی پھرتی لاش

روزِ ازل سے محکومی کی
چکی میں
پستی ہے عورت
ظلم کی روشن آگ میں زندہ
جل کر مر جاتی ہے عورت
محرومی کا پھندا پہنے
گھٹ گھٹ کر جیتی ہے عورت
کھلی قبر میں چلتی پھرتی لاش کی صورت
دیکھی عورت
عورت بھینٹ چڑھانے والو

اپنا حق منونے والو

آج زرا یہ تو بتلاؤ

عورت کے جائز حق کو بھی

تم نے کب تسلیم کیا ہے

عورت چاہے نیک ہو

بد ہو

سر سے پانی اونچا ہو تو

اپنا حق منوانے خاطر

جبر کے سارے بندھن توڑ کے

گھر سے باہر آ جاتی ہے

پاکیزہ معصوم سی عورت

عزت داؤ لگا جاتی ہے

اپنا آپ گنوا جاتی ہے

حق تو اسکو کب ملتا ہے

حق کی متلاشی عورت کو

عریاں ذہن کے مالک چہرے

آزادی کی چھاپ لگا کر

مصنوعی اک خول چڑھا کر

جھوٹی رسمی آس دلا کر

عورت کو عورت منوا کر

ہمدردی کا جال بچھا کر

شمع محفل اس کو بنا کر

دام میں یوں اُلجھا لیتے ہیں

اپنی ڈیٹ منا لیتے ہیں

عورت کو عورت ہونے کی

اتنی سخت سزا دیتے ہیں

شیطانوں کی اس بستی میں

بند دروازے توڑ کے اکثر

چور لٹیرے آجاتے ہیں
اپنا حصہ اس کو سمجھ کر
اُس کا حصہ کھا جاتے ہیں
دامن داغ لگا جاتے ہیں
کیوں نہ ان سے
آج ذرا میں بھی تو پوچھوں
عورت نے کیا جرم کیا ہے
عورت کا بس جرم یہی ہے
اُس نے تو بس پیار کیا ہے
ممتا کا کردار کیا ہے
تم نے عورت جان کہ اس کو
خوار کیا سنگسار کیا ہے
عورت کیا ہے میں بتلاؤں
بیٹی عورت بیوی عورت

بانجھ بھی عورت ماں بھی عورت
نیک بھی عورت بد بھی عورت
رُوپ بھی عورت پیار بھی عورت
قدرت کا شاہکار بھی عورت
میں تو بس اتنا ہی جانوں
عورت نام ہے ممتا کا
اور عورت تو بس ماں ہوتی ہے

خودساختہ اندھا نگر

یہ سب انسان ہیں لیکن
بہت مدت سے یہ سیلن زدہ قبروں میں رہتے ہیں
یہاں ہر روز جیون بانٹنے کو اک نیا سورج نکلتا ہے
مگر اس کی حرارت روشنی کب سب کو ملتی ہے
یہاں سورج بھی پابندِ سلاسل ہے
اسے اپنی حرارت بانٹنے کے واسطے
دیوار کے اس پار بیٹھے ناخداؤں سے
اجازت لینی پڑتی ہے
خدا تو ایک ہے سب کا
مگر یہ ناخدا سب کے نہیں ہیں

نہ جانے کیسے دنیا کے خداؤں نے یہ سوچا ہے
حرارت زندگی اور روشنی بس ان کا حصہ ہے
بڑی دیوار کے اُس پار جتنے لوگ رہتے ہیں
مقدر میں تو انائی نہیں لکھی گئی اُن کے
وہ اِس سورج کی دنیا میں تو رہتے ہیں
مگر سیلن زدہ قبریں غلاظت سے اَٹے رستے
ہی تو تقدیر ہیں اُن کی
گلہ سورج سے ہے اُن کو
اور نہ بڑی دیوار کے اس پار بیٹھے ناخداؤں سے کوئی شکوہ
مگر دونوں طرف پلتے ہوئے معصوم بچے
جب کبھی آپس میں ملتے ہیں
تو اکثر بات کرتے ہیں
کہ ظلم و جبر کے خودساختہ اندھے نگر کا سر پھری تقسیم کا
نگراں کیسا ہے

کیا اس نے جھانک کر دیوار کے اس پار اور اُس پار دیکھا ہے
کبھی وہ چند لمحوں کے لیے سیلن زدہ قبروں میں اُترا ہے
مگر وہ ناخدا شاید بڑی دیوار کے اُس پار
عالیشان بنگلوں نرم بستر اور سرسراتے ریشمی کپڑوں سے اُٹھتی ہوئی
مدہوش کُن خوشبو میں جکڑا ہے
تر و تازہ گُل و لالہ چمکتے چاند سے چہرے
بڑی دیوار کے اُس پار جا کر جھانکنے دیتے نہیں اُس کو
کبھی اے کاش ایسا ہو
کبھی اے کاش ایسا ہو
کہ وہ سیلن زدہ بدنما سی تنگ قبروں میں اُتر کر بھی ذرا دیکھیں
جہاں خود ساختہ اندھے نگر میں
اُس جیسے ہی کئی انسان بستے ہیں
اُنھیں بھی سانس لینے کو ہوا درکار ہوتی ہے
غذا ملتی نہیں تو زندگی دشوار ہوتی ہے

وہ کیڑوں سے بھی کمتر ہیں

وہ مردوں سے بدتر ہیں

وہ زندہ لاش کی صورت

نہ جیتے ہیں نہ مرتے ہیں
خدائے لم یزل کی اس زمیں پر
زندگی بھر وہ حرارت کو ترستے ہیں
یہ سب انسان ہیں لیکن
بہت مدت سے وہ سیلن زدہ قبروں میں رہتے ہیں

کل آج کل

بہت مدت ہوئی تم نے کہا تھا چھوڑ دو لکھنا
تم عورت ہو غزل ہو روپ ہو اتنا ہی کافی ہے
اگر تم شعر لکھو گی تو گم ہو جائیگی عورت
بہت ناداں تھے محکوم تم نے مجھ کو مانا تھا
بہت ناداں تھے مظلوم تم نے مجھ کو جانا تھا
غلط سمجھا تھا میری سوچ پر پہرے بیٹھا دو گے
غلط سمجھا تھا میری فکر کو بنجر بنا دو گے
غلط سمجھا تھا کٹھ پتلی بنا کر تم نچا دو گے
غلط سمجھا تھا مجھ کو میرے ہونے کی سزا دو گے
میرا ناتہ قلم کاغذ سے اَنمٹ ہے پرانا ہے
مجھے کاغذ کی ناؤ پر ہی دریا پار جانا ہے

مجھے جرات حرارت زندگی لفظوں سے ملتی ہے
میں چنری اوڑھ کرالفاظ کی دھوپوں میں چلتی ہوں
میں ہر لمحہ نئے احساس کی بھٹی جلتی ہوں
میں سورج ہوں مگر جذبوں کی حدت سے پگھلتی ہوں
میری تحریر میری ذات کا پرتو ہے ایماں ہے
میری تحریر میرا باد باں ہے سائباں بھی ہے
مجھے اشعار ماں کی گود کی مانند لگتے ہیں
میں اکثر نظم کے کُنجِ اَماں میں بیٹھ جاتی ہوں
میں عورت ہوں غزل ہوں روپ ہوں یہ ٹھیک ہے لیکن
تقدس بھی ہوں حرمت بھی ہوں سر تا پا محبت ہوں
نجابت ہوں دیانت ہوں رفاقت ہوں وجاہت ہوں
اگر سر ہے تمہارے پاس تو دستار بھی ہوں میں
کبھی بیٹی کبھی بیوی کبھی سردار بھی ہوں میں
یہ مانو یا نہ مانو واقفِ گفتار بھی ہوں میں

اگر ہے چشمِ بینا تو دعا ہوں پیار بھی ہوں میں
نہیں تم بے بصر تو صاحبِ کردار بھی ہوں میں
میری غیرت کو للکارو گے تو تلوار بھی ہوں میں
نہیں ممکن میرے شفاف آنچل کو ہوا دینا
نہیں ممکن میرے دامن پہ داغوں کو سجا دینا
نہیں ممکن میری توقیر داؤ پر لگا دینا
نہیں ممکن مجھے زنجیر پہنا کر بیٹھا دینا
نہیں ممکن لگا کر زخم جینے کی سزا دینا
نہیں ممکن ہے ناممکن کو ممکن سے ملا دینا
میرے معصوم بھائی میرے بچے آج یہ سن لیں
میں پابندِ سلاسل ہو کے بھی نگران ہوں سب کی
میں عورت کل بھی تھی میں آج بھی عورت ہوں ممتا ہوں
گواہی دے گا مرا کل مرے ہونے کی تم سب کو

15.2

عشق سمندر

(نظمیں)

اکیلا مسافر

اِک نیا سوال اُبھرا ہے
کیا اکیلا کوئی نہیں رہتا؟
کیا ضروری ہے ہمسفر ہونا؟
ہمسفر ساتھ ساتھ چلتا ہے
ہمسفر راستہ بدلتا ہے
ہمسفر ساتھ چھوڑ جاتا ہے
ہمسفر بے وفا بھی ہوتا ہے
ہے جدائی اگر مقدر تو
ہمسفر کس لئے ضروری ہے
یہ تو بس سوچ کا کرشمہ ہے

ہمسفر ہے تو ہم مکمل ہیں
ہمسفر کے بنا ادھورے ہیں
ہر کسی کو مسافتوں کے لئے
ساتھ اپنا ہی دینا پڑتا ہے
اپنے ہی ساتھ چلنا ہوتا ہے
کیوں نہ ایسا کریں کہ پہلے ہی
خود اکیلے سفر کریں آغاز
گر ہیں تنہائیاں مقدر تو
اپنی تنہائیوں کے رستے میں
اِک ردا اوڑھ کر خموشی کی
جو سفر لکھ دیا ہے طے کرلیں

خواب گر

خواب گر ہوں کہ حسیں خواب بُنے ہیں میں نے
زخمی احساس سے کچھ رنگ چُنے ہیں میں نے
اِک دھنک رنگ سے محفل ہے سجائی میں نے
کومل احساس کی دُنیا ہے بسائی میں نے
خواب گر ہوں کہ حسیں خواب بُنے ہیں میں نے

کتنا مشکل ہے تخیل کو سجائے رکھنا
خواب بونا کبھی تعبیر اُٹھائے رکھنا
ڈوبتی شب کے اندھیروں کو مٹانے کیلئے
اپنی پلکوں پہ ستاروں کو جگائے رکھنا
خواب گر ہوں کہ حسیں خواب بُنے ہیں میں نے

خواب تو خواب ہیں بنتے ہیں بکھر جاتے ہیں
کچھ تو بننے سے بھی پہلے ہی بگڑ جاتے ہیں
کوئی آہٹ کوئی دستک بھی نہیں دیتے ہیں
خواب چپ چاپ سے رستے ہی بدل لیتے ہیں
خواب گر ہوں کہ حسیں خواب بُنے ہیں میں نے

دشتِ حیرت کی مسافر ہوں، ندا دو مجھ کو
جسم کی اندھی فصیلوں سے صدا دو مجھ کو
چشمِ حیراں کو حسیں خواب اگر دے نہ سکو
چھین لو نیند مری، آ کے جگا دو مجھ کو
خواب گر ہوں کہ حسیں خواب بُنے ہیں میں نے

ماں

میں ماں ہوں آج کہنا ہے سبھی کچھ برملا مجھ کو
نظر آئے نہ دھرتی ماں پہ کوئی کربلا مجھ کو
خدارا راہ نوردو غور سے پیغام یہ سُن لو
بِنا پتوار دریا پار کرنا ہے ابھی تم کو
بہت مدت وئی اِک آزمائش تم پہ گزری تھی
جلا کر کشتیاں منزل کی تم نے جستجو کی تھی
تجھے جہدِ مسلسل کیلئے بخشا تھا یہ جادہ
وفا کرتا ہے کس حد تک سکوں یابی کا تو وعدہ
تو کیسا ناخدا ہے تو ہی ہمت توڑ بیٹھا ہے
تلاطم خیز موجوں میں سفینہ چھوڑ بیٹھا ہے

میں ماں ہوں، میں تجھے پیچھے کبھی ہٹنے نہیں دوں گی
تو شاہیں ہے ترے بازو کبھی کٹنے نہیں دوں گی
مری ممتا کا جذبہ ہی تجھے اُونچا اُڑائے گا
وطن کا پاسباں تو ہے زمانے کو بتائے گا
یقیناً تو ہی بیڑے کو تباہی سے بچائے گا
دھنک رنگوں سے اپنی ماں کی صورت کو سجائے گا
مقدر سونی دھرتی کا بھی اِک دن تو جگائے گا
میں ماں ہوں میں تجھے پیچھے کبھی ہٹنے نہیں دوں گی
تو شاہیں ہے ترے بازو کبھی کٹنے نہیں دوں گی

بابل، پیا، ساس اور ماں

ابھی بابل کے جانے کا مجھے صدمہ نہ بھولا تھا
ابھی تو آنکھ میری نم تھی بابل کی جدائی میں
تمہیں بھی اِس قدر جلدی تھی ہم سے سب سے بچھڑنے کی
بہت چپ چاپ سے جانے کی دل میں تم نے ٹھانی تھی
ابھی سونے سے پہلے تو تمہیں میں نے کہا تھا یہ
تمہارا گھر سجایا ہے دلہن اُس کو بنایا ہے
پیا جلدی سے آ جانا، بہت ہی تھک گئی ہوں میں
تمہارا وہ عجب لہجہ مجھے جینے نہیں دیتا
سویرے لوٹ آؤں گا یہ ہنس کر تھا کہا تم نے
سحر کو لوٹ تو آئے مگر چل کر نہیں آئے

تمھیں لوگوں نے شانوں پر اُٹھا کر اِس سجے گھر میں
عجب انداز سے سب کچھ ہٹا کر کیوں لٹایا تھا
مجھے کب بھول سکتا ہے تمھارا زرد یخ چہرہ
جسے لوگوں نے مل کر پھولوں سے سجایا تھا
مری امی نے میرا ہاتھ پھر دھیرے سے پکڑا تھا
مجھے جوش محبت سے بھری بانہوں میں جکڑا تھا
نہ جانے فون پر مجھ کو وہ کتنی بار کہتی تھیں
کہ تم کیسی ہو مجھ سے آج ملنے آ ہی جانا بس
میں چوکیدار سے کہہ دوں گی دروازہ کھلا رکھنا
نہ جانے کس گھڑی بیٹی کو میری یاد آ جائے
کہیں ایسا نہ ہو باہر سے آ کر وہ پلٹ جائے
وہ مجھ سے روز کہتی تھیں کہ کیسی ہے میری مینا
مری نُعما کا جب بھی فون آئے پیار کر لینا

تم آفس سے پلٹ کر سیدھی اپنے گھر کو آئی ہو
یا مینا کو کلینک سے تم اپنے ساتھ لائی ہو
بتاؤ کھانا تو اچھی طرح دونوں نے کھایا ہے
ذرا یہ بھی بتا دو نا کہ تم نے کیا پکایا ہے
تم اپنی گاڑی کے دروازے سارے چیک کر لینا
سنو سونے سے پہلے گیٹ بھی تم بند کر لینا
میں کہتی تھی مری امی ہماری فکر چھوڑو نا
مرے ہمراہ ممتا کی دعائیں ہیں تو کیا ڈرنا
مجھے اب کام سارا خود ہی تو ہر روز ہے کرنا
پیا کے بعد ساسو ماں بھی اپنے ہوش کھو بیٹھیں
مگر یوں بھی اُنہیں میں اور مینا یاد رہتے تھے
وہ دروازے پہ نظریں رکھ کے ہر دم منتظر رہتیں
ہمیں پیغام ملتا یہ کہ اماں نے ہے بلوایا
ہم اُن کو دیکھنے کے واسطے دوڑے چلے جاتے

بہت ہی تھوڑی مدت جی سکیں وہ بعد تمہارے
وہ اِک دن یونہی چپکے سے ہمیں بھی چھوڑ کر چل دیں
مری امی نے آ کر پھر لگایا ہم کو سینے سے
وہی معمول تھا اُن کا کہ ٹیلی فون پر اکثر
وہ ہم سے لمحے لمحے کی کہانی روز سنتی تھیں
مری پیاری سی امی ہم سے کتنا پیار کرتی تھیں
بہت ہی حوصلہ تھا اُن میں، دو بیٹے باہر تھے
فقط طارق ہی ہے جس پر وہ اپنی جان چھڑکتی تھیں
اچانک ایک دن صبح مجھے طارق نے بلوایا
کہاں ہے ڈاکٹر بیٹی ذرا نانی کو دیکھے نا
اُٹھا کے جلدی جلدی لے گئے اُن کو کلینک میں
وہ کومے میں تھیں بس وردِ زباں تھا ذکر خالق کا
وہ صبح دمِ اذاں کے وقت ہم کو چھوڑ کر چل دیں

مگر جاتے ہوئے امی نے مجھ سے کب یہ پوچھا تھا
کہ اُن کے بعد کیسے وقت گزرے گا نہ سوچا تھا
وہ اِک لمحہ ہماری یاد سے غافل نہ ہوتی تھیں
دُعائیں مانگتی رہتی تھیں وہ اِک پل بھی نہ سوتی تھیں
یہاں پر بے سکوں ہیں ہم سکوں میں ہو گئی ہیں وہ
سمجھ میں یہ نہیں آتا کہ کیسے سو گئی ہیں وہ
مجھے بابل کے جانے پر بھی سینے سے لگایا تھا
پیا کے چھوڑ جانے پر مجھے یہ ہی بتایا تھا
میں ہوں تیرے لیے تجھ کو ہمیشہ ساتھ رکھوں گی
بنا بتلائے چل دیں جانے کیسے رابطہ ہو گا
مجھے ہر روز کیسے فون پر وہ مشورے دیں گی
کہاں پر کھو گئی ہیں کون مجھ کو حوصلہ دے گا
مری امی مجھے آواز دے کر پھر بلاؤ نا
مجھے دو حوصلہ سینے سے آ کر پھر لگاؤ نا

یہ ناممکن ہے لیکن ایک دن واپس تو آؤ نا
مجھے دو حوصلہ سینے سے آ کر پھر لگاؤ نا
گھڑی بھر کو پلٹ کر میری امی آ بھی جاؤ نا

15.3

عشقِ کل

(نظمیں)

احساسِ تنہائی

مجھے تو یاد ہے وہ دن
کہ جب امید کی ہر اک کرن نے
ساتھ چھوڑا تھا
دوپٹے کی دھنک
اور
ہتھیلی پر سجی مہندی
کھنکتی چوڑیاں
پھولوں کے گجرے
سبھی بے رنگ لگتے تھے
مگر ان سب کو ساتھ رکھنے پر
یہ دل

پھر بھی مچلتا ہے
مہکتی پھول کی کلیاں
فضا میں پھیلتی جوگی کی خوشبو
چمکتے جگمگاتے چاند کی کرنیں
تمہارے ساتھ گزرے وقت کو
مرے اندر جگاتی ہیں
مجھے آ کر بتاتی ہیں اکیلی تو نہیں ہو تم
تمہارے ساتھ
بیتے مدھ بھرے ایام
کی روپہلی یادیں ہیں
اکیلی تو نہیں ہو تم
اکیلی تو نہیں ہو تم

کبھی تم لوٹ آؤ گے

سجا رکھا تمہارے گھر کو
میں نے آج بھی ایسے
کہ دن ڈھلنے سے پہلے تم
اچانک لوٹ آؤ گے
کوئی سلوٹ ابھی تک
اپنے بستر پر نہیں رکھتی
تمہارے گھر کو پھولوں
اور خوشبو سے سجاتی ہوں
نئے انداز سے پردے لگاتی ہوں
تمہاری سائیڈ ٹیبل پر کتابیں
دیکھ کر اک ہوک اُٹھتی ہے

انہیں اپنی کتابوں سے
ذرا نیچے چھپایا ہے
تمہارے موزے اور رومال
یونہی تہہ کیۓ رکھے ہوۓ ہیں
تمہاری خاص ٹیبل پر تمہاری ڈاک
اور بریف کیس رکھا ہے
یہ گھر اک دھیمی سی مانوس سی
آواز سننے کو ترستا ہے
کبھی لگتا ہے یوں
تم آؤ گے
اور آواز دے کر
نو ما مینا کو بلاؤ گے
ذرا پانی پلانا

اپنی گڑیوں کو بتاؤ گے
کچن میں کھانے کو ترتیب دیتی
میں تمہاری چاپ سنتی تھی
تمہارے ساتھ ہم سب ہنستے ہنستے
بیٹھ جاتے تھے
بہت قصے سناتے تھے
نہایت ہی توجہ سے
تم ہر اک بات سنتے تھے
تمہارے ہونٹوں کی مسکان
سب کا دل لبھاتی تھی
خوشی بڑھتی ہی جاتی تھی
میں کھانے والی ٹیبل کو
نئے انداز دیتی تھی
تمہارے بعد اس کو

صاف کرواتی ہوں
لیکن سیٹ نہیں کرتی
مگر تاکید سے میں چھریاں کانٹے
نیپکن برتن اور پلیٹیں
سبھی تیار رکھتی ہوں
نجانے کیوں یقیں ہے کہ
کبھی تم لوٹ آؤ گے
کہیں ایسا نہ ہو
اُجڑا ہوا گھر دیکھ کر
واپس پلٹ جاؤ
کہ شاہ کی نازکا ایسا ٹھکانا
ہو نہیں سکتا
ذرا دیکھو نا آ کر
گھر تمہارے واسطے

کیسا سجایا ہے
تمہیں گھر پہ بلایا ہے
خدا ظالم نہیں ہے
پیار کے رشتے بناتا ہے
تو پھر اِن کو نبھاتا ہے
تمہیں اُس نے ہمارے واسطے
ہی تو بنایا تھا
نجانے اتنی جلدی کس لئے
واپس بلایا تھا
مگر تم اب پلٹ آؤ
کہ اب تو بن تمہارے
دن نہیں ہیں کاٹنا ممکن
ذرا جلدی پلٹ آؤ
یا مجھ کو پاس بلواؤ

15.4

عشق دادیوا

(نظمیں)

سوچ دی گنڈھ

فیر خالی اے کشکول مِرا
میری سوچ دا بُوہا کھول ذرا
فیر خالی اے کشکول مِرا
مِرے اندر بھانبھڑ بلدے نیں
اکھاں وِچ سُفنے پلدے نیں
مِرے اندر سوچ دی گنڈھڑی اے
پر سوچ نمانی چندری اے
کَنج گنڈھڑی چُک لیاواں میں
کَنج خیر فِکر دی پاواں میں
ہُن توں دس کِدھر جاواں میں
کیہ سُفنے سارے توڑ دیاں

یاں بھانبھڑ سارے موڑ دیاں

یاں دل کملے دی من جاواں

جگ سارا پچھے چھوڑ دیاں

اکھاں وِچ اتھرو آئے نیں

یاداں نے دیپ جلائے نیں

میں کملی ہو کے پھر دی آں

فیر خالی اے کشکول مرا

توں بھر دے ہُن کشکول مرا

تو اندر میرے بول ذرا

فیر خالی اے کشکول مرا

توں بھر دے ہُن کشکول مرا

تو اندر میرے بول ذرا

تو اندر میرے بول ذرا

کیہ میں تیری کجھ نہیں لگدی

اِک گل میں وی پُچھنی اے تو رُسنا نہیں
اِگل میں وی دسنی اے توں کُٹنا نہیں
محل منارے اوہدے لئی نیں
چن ستارے اوہدے لئی نیں
ہاسے سارے اوہدے لئی نیں
درد چوبارے میرے لئی نیں
گل سُن میریا سوہنیا ربّا
مینوں ہتھ پھڑاندا کیوں نہیں
مینوں توڑ پُہچاندا کیوں نہیں
سُکھ دی چھاں بٹھاندا کیوں نہیں
میتھوں یاری لاندا کیوں نہیں
کیہ میں تیری کُجھ نہیں لگدی

مینوں دس تیر تُوں کیہ کردا

عشق دا چولا پانا پیندا
نچ کے یار منانا پیندا
رسماں دی سولی تے چڑھ کے
اپنا آپ گوانا پیندا
مینوں دس فیر توں کیہ کردا

درد وِچھوڑا لانا پیندا
دھوکھا پل پل کھانا پیندا
سڑکاں تے رُل جانا پیندا
گھُمن گھیری پا کے اِنج ای
خالی ہتھ مُڑ جانا پیندا
مینوں دس فیر توں کیہ کردا

تینوں تھلے آنا پیندا

بندے وانگ نبھانا پیندا

لکھے ہوئے تے راضی رہ کے

نیویں پاڑُر جانا پیندا

مینوں دس فیر توں کیہ کردا

شیشے دے جسّے والی

شیشے ورگے جسُے والی

ہرا،ک عورت ہوندی اے

اوہدا ہر اِک رُوپ اولڑا

ہر ہر رُوپ چ پھبدی اے

سُندی اے ہر اِک دِیاں گلاں

کسے کولوں کدر ُسدی اے

سبھ دا درد ونڈ الیندی اے

اپنا آپ گوا دیندی اے

ہنجو سبھ دی اکھا دے اوہ

اپنی اکھ وِچ پالیندی ہے

دُھپاں دے وِچ ننگے پیریں

چل چل کے اوہ تھکدی نہیں
شیشے ورگے اِس جُسے نوں
پتھر پیندے رہندے نیں
رِکر چی رِکر چی ہو جاندے اے
ٹُٹ کے فر کھِلر جاندی اے
خورے کسراں جُسے نوں
سانبھ سانبھ کے ٹُردی اے
گھٹ ای ایسے لوک نیں جہڑے
اِس نوعزت دیندے نیں
شیشے دے جُسے والی نوں
شیشے وانگ سمجھدے نیں
سانبھ سانبھ کے رکھدے نیں

ڈاکٹر شہناز مزمل
کی ادبی خدمات پر
چند اہم شخصیات کا
اظہارِ خیال

شہناز کی غزلوں اور نظموں میں جو روح کارفرما ہے اس کا سرچشمہ اسلام ہی نظر آتا ہے، وہ پاکستان سے محبت رکھتی ہیں، ملت کا سوز ہے، خدا تعالیٰ کو یاد کرتی ہیں اور اس کی نعمتوں کی شکر گزار ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کو اپنی رضا پر چلائے اور ان سے اچھے اچھے علمی اور ادبی کام لے۔

انعام الحق

ان کے افکار و تصورات میں ایک تعمیر کا حسن ہے جو ان کے خیالات کو جدت و ندرت بخشتا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ یہ شعری افکار دلچسپی سے پڑھے جائیں گے اور اس فنکارہ کے عظیم مستقبل کی خوبصورت تمہید بن جائیں گے۔

پروفیسر عبد الجبار شاکر

شہناز مزمل کی غزل میں پا کیز گیِ فکر اور دلنواز پیرایہ بیان بیک وقت موجود ہے وہ اپنی فکر میں شائستگی کا دامن ہاتھ سے نہیں جانے دیتیں۔ان کے ہاں نئی امنگوں اور تازہ ولولوں کا پیغام بڑے خوبصورت انداز میں ملتا ہے غم کے کسی موڑ پر بھی ان کی آنکھوں سے آنسو نہیں چھلکتے وہ بڑے ضبط و تحمل سے زندگی کے برتنے کا سلیقہ جانتی ہیں۔

طفیل ہوشیار پوری

شہناز شاعرہ ہیں ماحول ان کا کتاب۔مزاج ان کا نفیس،شاعری ان کی فطری،اردو ان کی اپنی زبان۔ان سب باتوں نے انہیں ایک ایسی شاعرہ بنا دیا ہے کہ ان سے خوشگوار توقع وابستہ کی جا سکتی ہے۔اپنے پسندیدہ موضوعات کے لئے نہایت مناسب اور متوازن زبان استعمال کرتی ہیں ان کے بیان میں سادگی اور پر کاری نیز تاثیر بدرجہ اتم محسوس ہوتی ہے

شہرت بخاری

شہناز کی شاعری خشبودار دھویں کی طرح ہے۔اس کی ہتھیلی پر ایک خوبصورت آشیانہ ہے۔جس میں رہنے والی چڑیوں کے بال و پر نکل آئے ہیں۔پو پھٹنے کے ساتھ پرندوں کا گیت اسے نادیدہ جہان کا دھیان بخشتا ہے۔ شہناز نے خیال پر زیادہ توجہ دی ہے۔اس کے ہاں غزل اور نظم دونوں میں اس کے معصوم جذبوں کا عکس موجود ہے۔

سعداللہ شاہ

شہناز مزمّل نے اپنی بات کو استعاروں اور تشبیہوں کے غلافوں میں لپیٹ کر پیش نہیں کیا۔وہ جانتی ہے کہ آج کے تیز رفتار دور میں کسی کے پاس فرصت کی اتنی ساعتیں نہیں کہ وہ آپ کے شعر پر گھنٹوں سوچ سکے۔اس کی تو کوشش ہوتی ہے کہ خیال لفظوں سے اُبل رہا ہو۔اپنی اس کوشش میں وہ مکمل طور پر کامیاب دکھائی دیتی ہے۔

منصور آفاق

معاشرے میں کوہتاہیوں اور بگاڑ کا احساس۔ ایک بڑے آورش اور اعلیٰ انسانی اقدار سے وابستگی۔ مذہب اور وطن سے محبت۔ مثالی بود و باش کی خواہش، ایک نامہربان آس پاس میں ایک غمگسار اشارہ یہ ہے شہناز مزمل کی شاعری خوبصورت مستقبل کی آس کے ساتھ

منیر نیازی

فی زمانہ غیر رسمی شعری اسلوب میں شعر لکھنا ایک جہاد سے کم نہیں ہے۔ شہناز مزمل نے یہ جہاد اپنی نظموں میں کیا ہے۔ ان کی آزاد نظموں میں ایک جذباتی روانی ہے جو ان کے اپنے موضوع سے قرب کا یقین دلاتی ہے۔ ان کی نظمیں خود آگہی کا سفر ہیں، وہ اپنی نظموں کے ذریعے اپنی محصور ذات کو دریافت کرتی ہیں، یہ دریافت رومانی اور مابعد از طبعاتی نہیں ارضی اور حقیقی ہے۔

انیس ناگی

شہناز مزمل انتہائی حساس اور باشعور شاعرہ ہے۔اس کا کلام ہجر و فراق کے درد و گداز اور تلاش و جستجو کے کرب مسلسل کا آئینہ دار ہے۔شہناز مزمل کے دکھ انتہائی گہرے ہیں۔اس کا اظہار خوبصورت اور دل نشیں ہے۔اس کی غزلیں اور نظمیں دلوں کے دروازوں پر دستکیں دیتی محسوس ہوتی ہیں۔

روحی کنجاہی

ان کی ذات کا خلوص ہجر اور جدائی کے لمحوں میں وہ رنگ بھر دیتا ہے جو قوس قزح کی طرح خوبصورت ہیں اور یوں ہلکے رنگوں اور سردیوں کی دھوپ جیسی یہ شاعری قاری کو آسودگی کی منزلوں کی طرف لے جاتی ہے یہ دکھوں کی تہذیب ہے اور میں شہناز مزمل کو اس ارفع رویے کی شاعری پر مبارک باد دیتا ہوں۔

عطاء الحق قاسمی

شہناز مزمل ایک شائستہ اور شستہ خاتون ہے۔ ان کا شریفانہ اسلوب شعر ایک مثبت تاثر دل پر طاری کرتا ہے۔ وہ اپنی شاعری کے ساتھ ذرا دیر سے ادبی دنیا میں ظاہر ہوئی جس معاشرے میں عورت کی تخلیقی گواہی کو رد کرنے کی روایت پڑ جائے۔ وہ معاشرہ تہذیبی، سماجی اور ثقافتی سطح پر بانجھ ہو کر رہ جاتا ہے۔

شہناز مزمل ہماری ایسی غیر تخلیقی روایت میں لفظ اور خواب کے حوالے سے ایک زندہ اور تخلیقی گواہی بن کر ظاہر ہوئی ہے۔ ان کی شاعری ہماری تہذیب کے کھنڈر سے طلوع ہوتی ہوئی کسی صبح کی مانند ہے۔

نذیر قیصر

ماضی کی اقدار اور روایات کی تام جھام کے ساتھ نئ شعری تخلیقات کا عصر رواں سے منظّم ربط ان کا خاصا ہے۔ شعری سفر کی لسانی تاریخ میں وہ اپنا ایک منفرد مقام بناتی ہیں۔ نظم ہو یا غزل اتنی سجی ہوئی ہوتی ہے کہ معنی کے مفہوم کی ترسیل بلکہ ابلاغ واضع انداز میں قاری تک پہنچتا ہے۔ لفظوں کی نشست و برخاست، روانی و تسلسل، موسیقیت و ترنم، اس کے اضافی جزو ہیں اور یہی جزیات جب کل کی شکل اختیار کرتے ہیں تو شہناز صاحبہ کے فن کی آبیاری ہوتی ہے۔

کرامت بخاری

شہناز کے متصوفانہ اندازِ شعری کے حوالے سے بات ذرا طویل ہوگی کیونکہ اُن کے ہاں یہ رجحانِ بالخصوص اُبھر رہا ہے علاوہ ازیں ان کی بیشتر غزلیں غزل کے تمام محاصل اور موضوعات سے معمور ہیں تمام غزلوں میں شعری جمالیات تشبیہ استعار مجاز مجاز مرسل صنائع بدائع بخوبی موجود ہیں مختصر تبصرہ میں ان کے حوالے سے بات مشکل ہے ہاں کیفیات کے لحاظ سے بات آگے بڑھائی جا سکتی ہے۔

شہناز کے ہاں تنہائی ہجر کربنا کی ویرانی اُداسی نا اُمیدی کچھ حاصل کرنے کے عزم کے ساتھ عام طور پر دل گداز کیفیت نظر آتی ہے ان موضوعات پر اشعار بڑے اثر انگیز ہیں۔ شہناز کی غزل کی ایک خوبی یہ ہے کہ خیال کی اور اندازِ بیاں کی اُکتا دینے والی تکرار نہیں گرچہ غزل میں تقرار معنی اور الفاظ سے بچنا مشکل ہے۔ موضوعات کے ساتھ فکری تابنی جگہ جگہ موجود ہے شہناز کی غزلوں میں تغزل بالعموم رچا ہوا ہے۔

عثمان صدیقی

غزل ہو یا نظم شہناز دونوں پر قدرت رکھتی ہے۔ میں نے سوچا" عکس دیوار پہ تصویر "بنانے والی یہ شاعرہ جو "موم کے سائبان " تلے "ادھورے خواب "دیکھتی ہے اس کی کچھ نظمیں منتخب کر کے " قرضِ وفا" چکا دوں۔ " آس کے جنگل "میں "لا حاصلی کی سرزمین "پر "جرم آگہی " کی بنا پر کڑی سزا کاٹ کر وہ صرف عکس تمنا پا سکی۔ وہ ایک شب گزیدہ مسافر ہے جو "زرد موسم کے عذاب " کر ابھی تک بے کلی

میں سوال کر رہی ہے کہ رتجگوں کی مسافت کب ختم ہوگی صدیوں کا پرانا دکھ جو اس کی رگ وپے میں سرایت کر گیا ہے، اس کی نظم کے ہر لفظ سے عیاں ہوتا ہے۔

مقروضِ انا جو وفا کے بوجھ تلے دبی جا رہی ہے۔

رضیہ اسماعیل

شہناز مزمل نے عصرِ نو کے عمومی تاثر کے برعکس کہ عورت بہت ایڈوانس اور ماڈرن بلکہ "سپر ماڈرن" ہو چکی ہے اور اسلام سے اپنے رشتے ناتے نہیں رکھتی۔ یہ ثابت کر دیا ہے کہ آج کی مسلمان عورت بھی اعلیٰ تعلیم یافتہ اور کسی منصب جلیلہ پر فائز ہونے کے باوجود جسم وروح اور دل ودماغ کی تمام گہرائیوں کے ساتھ اپنے اندر کی ایمانی سوچ رکھنے والی مسلمان عورت کو زندہ رکھے ہوئے ہے۔ یہی شہناز مزمل کی سب سے فکری بڑی خدمت اور اسلام سے ایمانی محبت کی صرف ایک دلیل ہی نہیں مکمل نا قابلِ تردید ثبوت بنی ہوئی ہے۔

علامہ سید انوار ظہوری

شہناز مزمل نے سنجیدہ ادب تخلیق کرنے کے بعد اب بچوں کے ادب پر بھی قلم اٹھایا ہے۔ زیرِ نظر کتاب " کھلی کلیاں مہکے پھول "بچوں کے لیے لکھی گئی خوبصورت نظموں پر مشتمل ہے۔ شہناز مزمل نے اس مجموعہ میں بچوں کی دلچسپی کے بے شمار موضوعات پر طبع آزمائی کی ہے۔ ان موضوعات میں گڑیا، چڑیا گھر، بلی، میاں مٹھو، قائد اعظم، خوش آئند لمحوں کی تلاش، دعا، مشورہ اور تندی بادِ مخالف شامل ہیں۔ آپ نے بڑی سلاست اور سہل ممتنع سے بچوں کی نفسیات کو سامنے رکھتے ہوئے ان موضوعات کو نبھایا ہے۔

احسان اللہ ثاقب

جہاں تک ان کی شاعری کے مختلف ادوار کا تعلق ہے، ہم بآسانی یہ بات کہہ سکتے ہیں کہ ان کی ابتدائی شاعری کی مثال ایسے خواب کی سی ہے جو اپنی تعبیر کی تلاش میں رہتا ہے۔ شہناز مزمل نے رتجگوں کی مسافت کاٹی، سفرِ خود آگہی اور جرمِ آگہی کے کرب سے بھی گزرنا پڑا، کسک اور بے کلی بڑھتی گئی، یہ ان کا دوسرا دور تھا، وہ برزخِ احساس میں خیمہ زن رہیں، لیکن خواہشِ نادیدہ کے ساتھ ساتھ لاحاصلی

کی زمیں پر چلتی ہوئی مختلف زاویے بناتی رہیں، مگر ادھورا خواب پورا نہ ہوا، تیسرا دور عہدِ تخلیق کی نئی جہت سے عبارت ہے جس میں خود آ گہی اور خدا آ گہی کی منزل نظر کے سامنے ہے۔ "متاعِ عشق" تکمیلِ ذات کے بغیر حاصل نہیں ہوتی، "قرضِ وفا" سے تسکینِ دل ملنے کا امکان ہے، یقیناً اس جنتِ ارضی پر " کھلتی کلیاں مہکے پھول " فردوسِ نظر کا سبب بنتے ہیں۔ وہ باہنر بھی اور باوقار بھی ہیں اور "متاعِ عشق" سے مالا مال بھی یہی حرفِ دعا ہے کہ ان کا تخلیقی سفر منزلِ صبحِ بقا تک جاری رہے۔ (امین)

پروفیسر حسن عسکری کاظمی

مثلِ کلیات

منتخب مجموعہ

- پیامِ نو
- جذب وحروف
- موم کے سائباں
- عشق تماشا
- عشق سمندر
- نورِ کل
- کھلتی کلیاں مہکے پھول
- جراتِ اظہار
- عکس دیوار پہ تصویر
- میرے خواب ادھورے ہیں
- بعد تیرے
- عشقِ کل
- عشق دادیوا
- جادہءِ عرفاں
- قرضِ وفا (نظمیں)
- عشق سمندر (نظمیں)
- عشق دادیوا (نظمیں)
- عشق تماشا (نظمیں)
- عشقِ کل (نظمیں)

مثلِ کلیات ایک منفرد کتاب

مثلِ کلیات اپنے طرز کی ایک منفرد کتاب ہے جس میں ڈاکٹر شہناز مزمل کی انتہائی عام فہم شاعری شامل کی گئی ہے۔ اس میں وہ شاعری شامل ہے جسے وہ اکثر اپنی ادبی نشستوں میں پڑھتی آئی ہیں یا پھر ان سے بار بار پڑھنے کی خواہش کا اظہار کیا جاتا رہا ہے۔ اس میں وہ کلام بھی شامل ہے جو اکثر ادبی رسائل وغیرہ میں تشہیر ہوتا رہا، اور وہ نظمیں اور غزلیں بھی شامل ہیں جن کی سوشل میڈیا میں بھی بھرپور حوصلہ افزائی ہوتی رہی۔ میں نے ان کا سارا کلام بہت زیادہ گہرائی سے تو نہیں پڑھا، بہرحال ان کی بہت سی تخلیق ایسی ہے جو سطحی لحاظ سے بھی نظر سے گزرے تو بھلائی نہیں جا سکتی، ان کے تمام اچھوتے خیال جو کہ اَن مٹ نشان چھوڑ جاتے ہیں مثلِ کلیات کا خاصہ ہیں۔